(جملہ حقوق محفوظ ہیں)
جس کتاب پر مصنف کے قلمی دستخط نہ ہونگے وہ مسروقہ سمجھی جائیگی

تشریحات صدر حصہ اوّل

مشتملبر

مثنوی سلطانہ رضیہ بیگم

من تصنیف

چودھری صدر الدین صدر ادیب فاضل
قصور

تعداد اشاعت ۵۰۰ بار دوم قیمت فی جلد عہ
(حمایت اسلام پریس لاہور میں باہتمام شیخ حسن الدین منیجر چھپی)

التماس

یہ مثنوی پہلی مرتبہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ پھر میرے دیرینہ کرم فرما جناب سر شیخ عبد القادر صاحب بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لاء اور عالیجناب سر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے پی۔ ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لاء کی ہدایات کے مطابق اس پر نظر ثانی کیگئی اور بہت سی ترمیم و تنسیخ عمل میں لائی گئی چنانچہ مسلسل پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد اب موجودہ اشاعت پر جو نظر ڈالتا ہوں تو اسے اشاعت گذشتہ سے بالکل جداگانہ تصنیف پاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام تشریحات صدر حصہ اوّل تجویز کیا گیا جو پہلے نام سے بالکل مختلف ہے میں نے اس کتاب میں نسائیت کی عزت و عصمت کے تحفظ کیلئے سعی بلیغ کی ہے۔ اُمید ہے کہ ناظرات محترمات اور ناظرین باتمکین اِس مقصدِ عالی کی قدردانی فرمائیں گے اور میری ناچیز خدمات کی داد دیں گے۔ جو میں نے ایک شریف اور بہادر خاتون کی براءت کے لئے سرانجام دی ہیں ÷

نیازمند

صدر الدین صدر۔ قصور

مثنوی سلطانہ رضیہ بیگم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کی حمد

حمد باری تعالیٰ

پلا اک جامِ وحدت مجھکو ساقی — دوئی کا نام رہ جائے نہ باقی
دھڑک میں دل کی پیدا کردے وہ رنگ — سرودِ آفرینش سے ہم آہنگ
نفس ہو ہمنوائے سازِ فطرت — صدائے دل ہو ہم آوازِ فطرت
اگر ہو جاؤں دمسازِ حقیقت — تو پھر پا جاؤں میں رازِ حقیقت
مرے ماتم کدہ میں عید ہو جائے — جو دل لذت کشِ توحید ہو جائے
صریرِ خامہ گر ہو مدح گستر — سنیں سب نعرۂ اللہ اکبر
لکھے یوں روشنائی حمدِ باری — اسی کا نور ہے عالم میں ساری
وہی زینت دہِ کون و مکاں ہے — وہی رونق دہِ ہر دو جہاں ہے
ہر اک شے مہ سے لیکر تا بہ ماہی — اسی خالق کی دیتی ہے گواہی
یہ جو کچھ بھی سما سے تا سمک ہے — چراغ قدرتِ حق کی چمک ہے
اندھیری رات میں جو کہکشاں ہے — کسی کی مانگ کا اسپر گماں ہے
یہ حسن افزائے سطحِ فلک ہے — یہ تصویرِ مصلّائے ملک ہے
یہی ہے دامِ زلفِ آسماں کا — خزانہ ہے یہ شاہِ لامکاں کا
پئے لیلائے شب ہے سلکِ گوہر — فلک کا کیا چمک اُٹھا ہے اختر
ستارے کب ہیں یہ چرخِ بریں پر — کسی مہ نے چنی افشاں جبیں پر

بلا کا رنگ ہے قوسِ قزح میں
غضب ڈھاتی ہیں یہ رنگیں شعاعیں

کسی کا ابروئے خمدار ہے یہ
کہ تیغِ لعلِ لب کی دھار ہے یہ

کہیں ہے رنگ گہرا ارغوانی
کوئی تحریر آبی کوئی دھانی

بلاشک جامعِ اضداد ہے یہ
خدا کی بے نظیر ایجاد ہے یہ

حیات افروز مہر و ماہ کی ضو
کسی کے روئے روشن کا ہے پرتو

کرن تارِ نگاہِ مہ جبیں ہے
یہ ناوک بھی غضب کا دلنشیں ہے

کسی کے خامۂ کُن کا اثر دیکھ
فلک پر گردشِ جامِ قمر دیکھ

مناظر اسکی قدرت کے یہ دلکش
کہ آجائے کلیمِ دل کو بھی غش

قیام ان سب مظاہر کا اگر ہے
تو اس خالق کے عدل و لطف پر ہے

مقرر نظمِ شمسی کی یہ حالت
انہی دونو پہ کرتی ہے دلالت

نہ ہو لطفِ کشش تو سب بکھر جائیں
بہم ٹکرا کے یہ کوکب بکھر جائیں

ہوا قائم یہ ثقلِ مرکزی پر
نظامِ مستقل منشور رہ کر

جو ہو عدلِ توازن میں ذرا فرق
تو بحرِ نیستی میں ہوں یہ سب غرق

نظام ابتر ہو کیفیت بگڑ جائے
اشاروں میں بنی صورت بگڑ جائے

ثوابت ہوں کہ سیارے فلک کے
بہم جذبِ توازن میں ہیں جکڑے

قوی گر ذرہ بھر بھی کم ہوں انکے
تو شیرازے ہوں درہم برہم انکے

نظامِ خلق کے یہ سب مظاہر
عیاں کرتے ہیں قدرت کے مناظر

یہ پرتو اسکا جب ایسا حسیں ہے!
وہی جانے وہ خود کیسا حسیں ہے!

بلاشک ہے وہی عالم کا داور
وہی سارے نظاموں کا ہے محور

جبینِ چرخ یہ کب گھومتی ہے
اسی محور کی چوکھٹ چومتی ہے

نظامات اور یہ ساری فضائیں
اسی مرکز کی لیتی ہیں بلائیں

یہ مرکز وہ عظیم الشّاں نشاں ہے
جو موجودات کی روحِ رواں ہے

یہی ہے منتظم سارے جہاں کا
یہی ہے منتظم کون و مکاں کا

حقیقت میں وہی جانِ جہاں ہے
جو اس قدرت کے پردے میں نہاں ہے

خدا کا بسکہ ہے خود عدل دستور
وہ بندوں کو بھی فرماتا ہے مامور

نہ ہونے پائے یہ مقصود مفقود
کہ عدل و لطف ہے اِک ظلِ ممدود

جو عدل و لطف پر سب کا عمل ہو
نہ پھر دنیا میں یوں جنگ و جدل ہو

چل اے رامشگرِ خوش حلق و الحاں
مہیا کر طرب کا ساز و ساماں

اڑا وہ مالکوسی اِک ترانہ
کہ سوتے سوتے جاگ اٹھے زمانہ

ترانے میں اثر اس درجہ بھر دے
کہ پتھر سے دلوں کو موم کر دے

صریرِ کلک ہو پھر نغمہ انگیز
ترنم کا اثر ہو ولولہ خیز

Taj Tahir Foundation

پہلا باب

رضیہ بیگم کا عہدِ نیابت

ملے ساقی مجھے جامِ مئے پاک — کہ ہو جاؤں ذرا میں چست و چالاک
نہیں ہے دخترِ رز کی تمنا — وہ صہبا دے جو ہو پاک اور صفا
نہ تلخی ہو نہ بدبو ہو نہ تلچھٹ — چڑھا جائے جسے زاہد غٹا غٹ
کرے یوں ساغرِ دل میں مرے گھر — کہ جیسے ہو پری شیشے کے اندر
سنائے یہ پری ایسا فسانہ — جسے سنکر پھڑک اٹھے زمانہ
مورخ یوں بیاں کرتے ہیں احوال — صدی تھی ساتویں تیئیسواں سال
تلی تھیں چند قومیں سرکشی پر — تہیا تھیں وہ سب لشکر کشی پر
سفر کرنا پڑا التمش کو — کہ کچھ تادیبِ اقوامِ زبوں ہو
ارادہ تھا کہ وہ لڑ بھڑ کے اُن سے — اکھاڑے سرکشی کو بیخ و بن سے
جو سردارانِ ترک تھے وفا کیش — کہا اُن سے مراحل ہیں یہ درپیش
"مہمیں چند کرنی ہیں مجھے سر — ضروری ہے کہ ہوں دلی سے باہر"
"مری دانست میں ہے یہ مناسب — رضیہ کو بناؤں اپنا نائب"
"رہوگے تم مطیعِ حکمِ قانون — تو پھر دار الخلافہ ہوگا مصئون"
سنی جب سب نے یہ تجویزِ خونریز — نگاہیں اُنکی اُٹھیں نفرت انگیز
زباں بنکر یہ کہتا تھا تکبر — "رہے ہیں کب مطیعِ زن بہادر؟"
مطالب اُن کے شاہنشاہ سمجھا — کہ رنگِ رُخ نے رازِ دل بتایا
کہا اے سلطنت کے خیرخواہو! — "نہ اِس تجویز سے دل میں خفا ہو
یہ تدبیر اس لئے تم کو بتائی — کہ ٹیڑھی کھیر ہے فرمانروائی"

"بُہت سے مابدولت کے ہیں بیٹے — مگر ہیں سب کے سب ہمت کے ہیٹے"
"وہ بدمستِ مئے عیش و طرب ہیں — تغافل کیش ہیں راحت طلب ہیں"
"یہ دختر ہے مگر دمسازِ دولت — وفا خو واقفِ رازِ حکومت"
"اُسے پاؤگے سرتاپا صفا دید — کروگے تجربے سے میری تائید"
مصر اسوقت انہوں نے شہ کو پایا — تو ہر اک نے سرِ طاعت جھکایا
غرض تھا دوسرے دن حکمِ شاہی — "کہ ہونگے مابدولت جلد راہی"
"رضیہ کو بنایا ہم نے نائب — یہی ہے حکمِ عقل و رائے صائب"
"ارادہ کرتے ہیں اب مابدولت — کہ رسمِ فرخِ بزمِ نیابت"
"مہِ شوال ہی کی چودھویں کو — یہیں دار الخلافہ میں ادا ہو"
"یہ فرضِ عین ہے حکام سارے — شریکِ حال ہوں آکر ہمارے"
خدا کی اسمیں گر تائید ہو جائے — مہِ شوال میں یہ عید ہو جائے

ادائے رسمِ نیابت

جب آیا اس مبارک رسم کا روز — تو سلطاں تخت پہ تھا جلوہ افروز
غضب انداز تھے اس جنگجو کے — وہ آنکھیں تھیں کہ دو ساغر لہو کے
لٹکتی تھی کمر سے اُس کے شمشیر — کماں کاندھے پہ اور ترکش میں تھے تیر
بدن پر چار آئینہ سجا تھا — تو سر پر خودِ فولادی دھرا تھا
مقابل شہ کے دستورانِ ذی شان — سنبھالے تھے وزارت کے قلمدان
معزز تھے یہاں اربابِ دولت — مؤدب سے یہاں اصحابِ صولت
اِدھر بیٹھے تھے صوبیدار شہ کے — اُدھر حکامِ خوش اطوار شہ کے
اِدھر تھے مقتدر مفتی و ابرار — اُدھر قاضی تھے پہلو میں جلودار

Taj Tahir Foundation

جو شہزادوں کی مجلس اک طرف تھی
تو اہلِ علم کی اک سمت صف تھی

شہنشہ ماہ تھا اور اہلِ دربار
مثالِ انجمِ ثاقب جلوہ دار

درِ دربار پر تھے چوب بردار
خوش اضلاع و خوش اخلاق خوش اطوار

غضب کے زرق برق انکے تھے ملبوس
خجل رنگینیوں سے جنکی طاؤس

سپہ تھی پشتِ شہ پر ایستادہ
جو گنتی میں تھی تاروں سے زیادہ

برابر قد تھے یکساں وردیاں تھیں
کہ یکرنگی میں سو نیرنگیاں تھیں

رضیہ بھی تھی بیٹھی شاہ کے پاس
دوبالا ہو رہی تھی شانِ اجلاس

نشست اسکی تھی ایسی خوش قرینہ
کہ جیسے خاتمِ زر پر نگینہ

نقابِ نیلگوں روئے حسیں پر
گھٹا کالی تھی سورج کی جبیں پر

رُخِ پُر نور پر بُرقع نہیں تھا
غلافِ مصحفِ جان آفریں تھا

عیاں تھی پردۂ فانوس میں شمع
یہ درباری نہ تھے پروانے تھے جمع

غرض دربار یہ ایسا سجا تھا
کہ جس پر جشنِ جمشیدی فدا تھا

اکٹھا مامور ہو کر اک مصاحب
کیا ظاہر جو تھا اعلانِ واجب

کہا سُن لیں اسے سب خاص اور عام
"رضیہ پر کیا ہے حق نے انعام

ہوئی ہے جانشینِ خاصِ سلطاں
سر آنکھوں پر اٹھاؤ اسکے فرماں"

جب ایما مفتیٔ اعظم کا پایا
رضیہ نے نقابِ رُخ کو اُلٹا

چمک دی پرتوِ روئے حسیں نے
بہایا نور کا دریا جبیں نے

وہیں سلطان شمس الدین نے اٹھکر
رکھا تاجِ حکومت اسکے سر پر

ہوا ابرِ نقاب اس رُخ سے جب دور
تو مثلِ مہر چمکا روئے پُر نور

سیہ بادل سے کوندی ایک بجلی
نگاہوں میں ہوئی کیا خیرگی سی

چمک اٹھی جو ہنی برقِ سرِ طور
کلیمِ دل پکارا چشمِ بد دور

گھنیرے بال تھے یوں فرق پر جمع
دھواں جسطرح چھائے بر سرِ شمع

وہ گیسو اس رُخِ تاباں کے نزدیک
کہ ظلمت چشمۂ حیواں کے نزدیک

کب اسکی مانگ بالوں میں عیاں تھی
اندھیری رات تھی اور کہکشاں تھی

وہ رخسارے تھے یا آئینۂ صاف
اُتر آیا تھا جن میں مہرِ شفاف

جبیں تھی اسکی یا تھی لوحِ سیمیں
شکن تھی جسکی اک طغرائے زریں

نگاہیں تیر تھیں ابرو تھے خنجر
برائے فصدِ دل مژگاں تھے نشتر

وہ بینی حسن کے دریا کا موجا
جو طوفانِ ملاحت سے اٹھا تھا

قلم اک عطر کی تھی یا وہ بینی
کرے کیا کوئی اسکی نکتہ چینی

ہوئی پیدا نئی تشبیہ کی راہ
بخطِ نسخ ہائے نامِ اللہ

دہن تھا گر صدف دنداں گہر تھے
مسلسل ضو فگن شفاف و تر تھے

وہ لب یاقوت کھائے جسپر الماس
وہ چشمہ جو بجھائے خضر کی پیاس

زباں میں تھا وہ اعجازِ مسیحا
کہ اک جنبش میں سو مردے ہوں زندا

یہی چاہِ ذقن کی تھی نشانی
کہ دلِ عشاق کے بھرتے تھے پانی

زنخداں اسکا تھا یا سیبِ جنت
نگاہوں میں کھُبی جاتی تھی رنگت

صدف تھے لجۂ معنی کے وہ گوش
حق آگہ حق شنو حق سنج و حق کوش

سراغ اسکا اگر پاتے فرنگی
تو دکھلاتے وہ یوں اپنی دو رنگی

عراق و شام و ایراں چھوڑ دیتے
وہ کانِ نفط سے منہ موڑ لیتے

اسی لو سے لگاتے لو وہ پُر فن
کہ جس سے محفلِ عالم تھی روشن

سمجھ لو کان کو اک مخزنِ برق
نہیں بلب اور بندے میں کوئی فرق

حنائی پنجۂ نازک جو دیکھے
تو بلبل کے اڑیں ہاتھوں کے طوطے

کچھ ایسا تھا جمال اس ماہوش کا
جسے دیکھو جہاں میں اسپہ غش تھا

Taj Tahir Foundation

قدم درباریوں کے لڑکھڑائے — جگر اہلِ ہمم کے تھرتھرائے
غرض یہ وزّۃ التاج حسیناں — ہوئی جب زینتِ اورنگِ گیہاں
سرِ محفل منادی نے ندا کی — "ہُوا حکمِ رضیہ آج جاری"
اطاعت میں کسی نے گر کمی کی — "سزا پائے گا اپنی سرکشی کی"
الٰہی یہ جواں بخت و جواں سال — "رہے قائم بعزّ و جاہ و اقبال"
فراواں التمش کی زندگی ہو — "بنائے مُلک میں پائندگی ہو"
ادا جب ہو چکے آدابِ بیعت — ہُوئے دربار سے سب لوگ رخصت
مگر اس رسم پر خلقِ خُدا نے — بجائے ہفتہ بھر تک شادیانے
ہُوا جب شہ کو اطمینان حاصل — چلا لڑنے وہ باجمعیتِ دل
قریباً سارے عُمدّۃ کام اور قاضی — رضیہ کی نیابت سے تھے راضی
مگر جو لوگ تھے اِنمیں جفا کیش — یہ بات انکے لیئے تھی سخت دِل ریش
انہوں نے گو بظاہر کر لی بیعت — نہاں رکھی مگر دِل میں عداوت
حسد داخل تھا جنکی آب و گِل میں — جلے جاتے تھے وہ سب دِل ہی دِل میں
رضیہ تھی مگر از بسکہ دانا — نہ اِس پر چل سکا منتر کسی کا
کیا سنجیدگی سے اسنے سب کام — دیا ہر دوست اور دشمن کو آرام
جو عدل و لطف کو ہادی بنایا — تو عہد اسکا بڑے چھوٹوں کو بھایا

رضیہ کا عدل و انصاف نمبر ۱

مِرے ساقی مجھے سرشار کر دے — بس اب پیمانوں کی بھرمار کر دے
پلا مے عدل کی مجھ خستہ جاں کو — ازاں پس بادہ خوارانِ جہاں کو
بسر ہوں عیش اور عشرت میں دوران — خدائی میں چلے دورِ مساوات
رضیہ کرتی تھی اِک روز دربار — کہ لایا استغاثہ اِک زمیندار
یہ اسنے عرض کی اُے نائبِ شاہ — فریدوں طالع و جمشید درگاہ
مَیں ہوں سرکار کا جاگیر دار ایک — ملازم ہے مرے رنج کا چمار ایک
مجھے کہتے ہیں سب سلطانِ جہاں خاں — اسے کہتے ہیں نتھوا ننگِ انساں
کہاں ہیں اِک رئیسِ خاندانی — کہاں وہ اِک رذیلِ جاودانی
جہاں میں ہے مِری ممتاز ہستی — غلامی کی اُسے حاصل ہے پستی
کہاں یہ میرے خلعتہائے زیبا — خجل ہیں جنکے آگے خزّ و دیبا

عہد بادشاہی ۶۳۴ لغایت ۶۳۷ھ خاص خاص عدل و انصاف

کہاں وہ لُنگ بستہ مضطرب حال — برہنہ سر برہنہ پا بد افعال
کل اسکو کہدیا کچھ سُست اور سخت — تو حملہ کرنے آیا مجھ پہ کم بخت
حضورِ عب شاہ سے بندہ نہ ڈرتا — وہیں اُس بے حیا کو قتل کرتا
پس اے خوش خو و خوش وقت و خجستہ — یہ میری عرض ہے اب دستبستہ
اُسے بلوا کے کچھ تنبیہ کیجے — نہ کیجے قتل تو تعزیر دیجے
رضیہ نے کہا اے مردِ عاقل — بھلا یوں دوں گی لینے سے حاصل؟
زباں جب ہاتھ بھر کی اسطرح ہو — گزر پھر نوکروں کی کسطرح ہو
سُنائی ہیں یہاں باتیں جو تم نے — سنائی اسکو صلواتیں جو تم نے
ذرا بھی یہ نہ سمجھیں شایانِ دربار — مساوی ہیں جہاں محتاج و زردار
دیا پھر حکم نتھوا کو بلاؤ — شہادت دو تو اپنی اپنی لاؤ

غرض دربار میں نتھوا جب آیا
بجا آدابِ شاہی سب وہ لایا

رضیہ نے کہا نتھوا سے "بولو"
"ملازم اسکے بھائی کیا تمہی ہو؟"

کہا "جی ہاں" تو بولی وہ نکو نام
کہ "ہاں! کرتا ہے ایسا بھی کوئی کام؟

ہوئے آؤ پر اپنے حملہ آور
ملازم اسکا گر ہوتا نہ یاور"

تو اسکے قتل کو تم آگے بڑھتے
عوض میں جس کے خود سولی پہ چڑھتے"

کہا "اے عدل اور انصاف کے شاہ
مرے آقا تھے کل نشہ میں گمراہ"

غلام انکا نہیں وہ میں ہوں نوکر
انہوں نے خود کیا ہے ظلم مجھ پر"

تھکا ماندا گیا گھر اپنے شب کو
کہ دل سے دور کچھ رنج و تعب ہو"

ہوئے اتنے میں خانصاحب نمودار
نہ تھے آپے میں تھے نشہ میں سرشار"

وہ فرمائی انہوں نے بدکلامی
کہ جسکو سہ نہیں سکتی غلامی"

مجھے پیٹا غبارِ دل نکالا
مری ناموس پر پھر ہاتھ ڈالا"

"اگر تھا بھی تو اک میں تھا گنہگار
انہیں زوجہ سے میری کیا سروکار؟"

دکھانا گاؤ زوری عورتوں کو
نہیں شانِ جوانمردانِ خوشخو"

جو دل میں ضبط کی طاقت نہیں ہے
تو خانصاحب بنی کسواسطے ہیں؟"

اکیلے پر چڑھائی دونے کی تھی
انہوں نے بھی ملازم نے بھی پی تھی"

نہ پھر باقی رہی دل کو مرے تاب
بہایا غیظ نے آنکھوں سے خوناب"

رہا غیرت سے دل میرا نہ بس میں
رکے ٹھوکر سے کیا نالہ جرس میں"

ہوا یہ غیرتِ دل کا تقاضا
کہ قرباں آج تو عزت پہ ہو جا"

مگر کیا کرتا یہ دو میں اکیلا
سنبھلتا کسطرح ان دو کا ریلا؟"

رضیہ نے کہا "شاہد کرو پیش
کہیں سچ سچ نہ ہو اسمیں کم و بیش"

گواہوں نے بھی خانصاحب کی پچ کی
ہوئی برباد مٹی آہ! سچ کی

کہا سب نے کہ نتھوا کی خطا ہے
یہ مردود اپنے آقا سے لڑا ہے"

اسے تعزیر دینا چاہیئے خوب
نہ پھر الجھے شریفوں سے یہ معتوب"

"کیا تھا اس نے حملہ قاتلانہ
چلا ہے کرنے غیرت کا بہانہ"

گنواروں کو بھلا پاسِ حیا کیا؟
کہ پدّی کیا اور اسکا شوربا کیا؟"

ادھر تو تھی گواہوں کی یہ بھرمار
ادھر نتھوا اکیلا بے یار و مددگار

گواہی کو نہ کوئی اس کی آیا
زرِ رشوت ہر اک نے خوب کھایا

گواہوں سے رضیہ نے یہ کی جرح
بخوبی تاکہ اصلیت کی ہو شرح

کہ یہ سلطاں جہانخاں ہے امیر ایک
نہیں اسکو سنا ہم نے کبھی لیک"

گواہوں نے کہا "اے جانِ عالم"
یہ شہزادوں کے ہیں ہمراز و ہمدم"

کہا فیروز کے بھی ہیں یہ کیا دوست؟"
تو وہ بولے کہ "ہاں یکجان و دو پوست"

اکٹھا کل ہوئے تھے شاہزادے
تو اس جلسے کے یہ روح رواں تھے"

رضیہ نے کہا "جلسہ تو تھا کل
ہوئی تھی کب بپا آخر یہ ہلچل؟"

گواہوں نے کہا "اس بعد جلسہ
مچا تھا گھر میں نتھوا کے یہ غوغا"

کہا "مشکل نہیں کچھ فیصلہ اب
جو اسمیں راز تھا وہ کھل گیا سب"

بھلا فیروز کے جلسے میں جانا
جہاں لازم ہو پینا اور پلانا؟"

گوارا کب کرینگے مردِ اشراف
اسی نے کر دیا یہ مسئلہ صاف"

ہوا ثابت کہ خانصاحب نے پی تھی
انہیں نشے میں سوجھی دور کی تھی"

اجی سلطاں جہانخاں سچ بتاؤ
نہ سچ کہنے سے اب تم جی چراؤ"

"کہ نتھوا ہے تمہارا اک ملازم
کہیں مخدوم سے لڑتا ہے خادم؟"

وہ اپنے گھر میں آسودہ پڑا تھا
تمہارے گھر پہ لڑنے کب گیا تھا؟"

وہ نفرا ہے ٹکے کا اک بچارا
اسے لڑنے کا تم سے کب ہے یارا؟"

Taj Tahir Foundation

جو کچھ پرخاش ہوتی اسکو تم سے
تو خود آتا تمہارے گھر پہ چڑھکے

سبب ظاہر کیا تم نے نہ اب تک
کہ تم سے کیوں لڑا آخر یہ مردک؟

"میں سمجھی! اپی کے جب تم ہوگئے مست
تو پھر آیا خیالِ دُور از دست"

غریبوں کی لگے گردن دبانے
چماروں کو لگے مستی دکھانے

پٹھانی اپنی دِکھلانے لگے تم
وہ کچھ بولی تو تڑانے لگے تم

وہ نفرا ہی سہی نتھوا پہ ہے مرد
نہ کیوں ہو اپنی غیرت کا اسے درد؟

اجی فیروز کے تم ہو مصاحب
بنے ہو اسکے بوتے خانصاحب!

یہ زیبا ہے کہ اک مردِ مسلماں؟
پئے مے اور کرے توہینِ قرآں؟

یہ غیرت وار نتھوا گو ہے حیا کر
تم ایسے مسلموں سے ہر ہے بہتر

ہر اک انسان میں غیرت کی ہے برق
امیری اور غریبی میں نہیں فرق

یہی انصاف کا اب ہے تقاضا
گھسے یونہی تمہارے گھر میں نتھوا!

پئے مے دلکی حسرت بھی نکالے
پٹھانی پر تمہاری ہاتھ ڈالے"

سنا یہ حکم خانصاحب نے جسدم
تو چلائے "کہاں نتھوا! کہاں ہم!"

مگر نتھوا نے یوں کی عرض "سرکار!
مبارک ہوں یہ خانصاحب کو اطوار"

میں بیچارہ ٹکے کا آدمی ہوں
پٹھانی پر نگاہِ بد میں ڈالوں!

مجھے زیبا نہیں ہرگز یہ اطوار
بہر صورت میں انکا ہوں نمکخوار

"کروں ایسا تو رسوائی ہو میری
جہانخاں کی سی پھر ہائی ہو میری"

"کریں بدنام بھائی اور برادر
نہ رکھے پھر مجھے کوئی بھی نوکر"

بھلا اتنی مجھے جرأت کہاں ہے
پٹھانی وہ نہیں ہے میری ماں ہے"

میں ہوں خادم ہیں خانصاحب مرے باپ
بنا کر باپ کس منہ سے کروں پاپ"

جہانخاں سے رضیہ تب یہ بولی
"یہ دیکھو عفو ہے اسلامیوں کی"

روایت ہے کہ یہ نتھوا خوش ایماں
ہوا کنبے سمیت آخر مسلماں

جہانخاں نے قسم اسوقت اٹھائی
دھتا بس دخترِ رز کو بتائی

رضیہ کا عدل و انصاف نمبر ۲

ابھی اتنا میں اک شخص اور آیا
عدالت میں یہ فریاد اپنی لایا

کہا "مشتاق احمد ہے مرا نام
میں ہوں اکسال سے پابندِ اسلام"

میں پہلے ذات کا تھا نیچ ہندو
کہا کرتے تھے مجھ کو لوگ چھندو"

ہوا جس روز میں ہندو مسلماں
ہوئے تھے اور دو ہندو مسلماں"

ہجوم اس دن تھا مسجد میں فراواں
جو نو مسلم تھے: تھے سب شاداں"

جو درباری تھے چند اسجا نمازی
وہ کچھ افغاں تھے کچھ ترکی و تازی"

انہیں میں سے تھا افغانی امیر ایک
نہایت محتشم بارعب اور نیک"

مسلماں دیکھکر سبکو وہ یکسر
لگاتا نعرۂ اللہ اکبر"

اعانت کرنیکی جب آئی نوبت
تو حسبِ حیثیت کی سب نے ہمت"

امیر افغاں نے دیکر کچھ زر و نقد
کہا تجھ سے کرونگا میں ترا عقد"

مگر اس بات کو گزرا ہے اکسال
تقاضا جب کرو دیتا ہے وہ ٹال"

رضیہ نے سنی جب اسکی روداد
تو پوچھا "نام اس افغان کا ہے یاد؟"

کہا مشتاق احمد نے کہ "حضرت
علیخاں کہتی ہے سب اسکو خلقت"

دیا تب حکم "ہاں اس کو بلاؤ
گواہوں کو بھی لیکر ساتھ آؤ"

ہوا دربار میں حاضر علیخاں
رضیہ نے کہا "اے میر افغاں!

یہ جو سائل کھڑا ہے جانتے ہو؟
کبھی دیکھا بھی ہے پہچانتے ہو؟"

کہا "جی ہاں" تو بولی نیک فرجام
"شکستِ وعدہ کا تم پر ہے الزام"

ہؤا جسوقت یہ جندو مسلماں
کیا تھا تمنے اِس سے عہدِ احساں

علیخاں نے کہا اے صاحبِ تاج!
مجھے اپنے سخن کی ہے بڑی لاج

بظاہر گو کہ میں بیٹھا تھا خاموش
کیا وعدہ نہیں میں نے فراموش

ہر اک سے پوچھ گچھ کرتا رہا میں
اسی اندوہ سے مرتا رہا میں

گھرانا گر کوئی اچھا سا ملجائے
تو میرا غنچۂ امید کھِل جائے

دیا تھا اِک جگہ پیغام اِک بار
کیا ان سبنے بالکل صاف اِنکار

کہا زر لو تو وہ بولے نہ لیں گے
نہ دینگے نیچ کو بیٹی نہ دیں گے

رضیہ نے کہا کیا کوئی بیٹی
تمہارے گھر میں اللہ نے نہیں دی؟

وہ بولا ایک دختر ہے تو سرکار!
کہا ایفائے وعدہ کیا ہے دشوار؟

جھکا کر سر امیرِ افغاں یہ بولا
کہ نو مسلم ہے یہ اور نیچ ہونا

اگر دوں اِسکو بیٹی تو بُرا ہو
مخالف میرا ہر چھوٹا بڑا ہو

رضیہ بولی یہ کہنا غلط ہے
یہ بودا عذر ہے دعوے غلط ہے

غلط ہے یہ کہ ہے یہ ذات میں کم
تمام انسان ہیں اولادِ آدم

یہ ہے ارشاد مولانا علی کا
ابوھم آدم والام حوا

نہیں مقبول عذرِ کفر و ایماں
کہ جندو بھی ہے اب پکا مسلماں

وہ تقوے میں اگر ہم سے سوا ہے
تو اکرم بھی وہی پیشِ خدا ہے

گنہ جتنے تھے اسکے قبلِ اسلام
ہوئے محو از طفیلِ رحمتِ عام

اک آیت یہ بھی ہے قرآں میں آئی
مسلماں سب ہیں باہم بھائی بھائی

اگر ہے مال کی جانب تمہیں میل
تو زر ہے اہلِ دل کے ہاتھ کا میل

جسے دی ہے خدا نے دولتِ دِین
غنی ہے وہ کہو اسکو نہ مسکیں

نسب فانی ہے ایماں کو بقا ہے
بزرگوں سے یہی ہم نے سنا ہے

اعزا سے نہ لو اِسمیں صلاح اب
کرو مشتاقِ احمد کا نِکاح اب

حسب اور نسل کو ہرگز نہ سوچو
خدا کا نام لیکر عقد کر دو

اُسے مفلس جو تم گردانتے ہو
تو کیا قدرت کو عاجز جانتے ہو؟

کشادہ ہے جہاں میں سعی کی راہ
گدا ہمت سے ہوتا ہے شہنشاہ

جواب اثبات میں دیکر علی خاں
گیا گھر تھا مگر خاطر پریشاں

اِدھر ایماں یہ کرتا تھا تقاضا
کہ اپنے عہد سے تو پھیر نہ اصلا

اِدھر ترکِ شعارِ خاندانی
کئے دیتا تھا خونِ دِل کو پانی

ظفر ایماں نے پائی آخرِ کار
عروسی پر ہؤا دختر کی تیار

رچائی دھوم سے بیٹی کی شادی
غرور و کبر کی ہستی مٹادی

رضیہ تک جو پہنچے اسکے اخبار
تو بے حد خوش ہوئی وہ نیک کردار

بڑی سی کی عطا جندو کو جاگیر
کہ کم ہو دختِ افغاں کی نہ توقیر

ہوئے معروف الطافِ رضیہ
ہؤا مشہور اِنصافِ رضیہ

جمال الدّین یاقوت

جلبش کا تھا غلامِ التمش ایک
نہایت باوفا خوشِ خلق اور نیک

وہ روز و شب تھا آقا کا رضا جو
کہا کرتے تھے سب یاقوتؔ اُسکو

صلوٰۃ و صوم کا پابند تھا وُہ
عبادت سے بہت خورسند تھا وہ

خوشِ اوصاف اسکو سلطاں نے جو پایا
جمالؔ الدّین اسکا نام رکھا

اسے پھر معتمد ذی ہوش پا کر
کہا خدمت رضیہؔ کی کیا کر

رضیہؔ کے یہاں تھے جیں گھوڑے
بہت خوبی میں اور گنتی میں تھوڑے

ہر اک تیزی میں ایسا باد پا تھا
بیک جنبش فلک کو پھاندتا تھا

رکھے تھے نام ان گھوڑوں کے چنکر
کوئی آہو تھا اِنہیں کوئی اختر

جمال الدّین داروغہ تھا اِن کا
کہ بیطاری میں تھا اس کو سلیقہ

نیابت کے زمانے کا سنو ذِکر
رضیہؔ کو ہوئی یہ ایک دن فکر

پئے تفریح جانا ہے ضروری
بہت گھبرا رہا ہے آج کل جی

اگر جینسے رہی اور ایسی حالت
بھلی چنگی بگڑ جائے گی صحّت

تو بس اپنے جسم و جاں کو ہم دیں حرکت
مثل سچ ہے کہ ہے حرکت میں برکت

جو درباری ہیں انکو ساتھ لےلیں
چلیں جنگل شکارِ شیر کھیلیں

جونہی یہ دھیان اسکے جی میں آیا
جمال الدّین کو اس نے بلایا

کہا جائینگے ہم صید افگنی کو
ضروری ساز و ساماں ساتھ لیلو

ذری اصطبل شاہی تک چلے جاؤ
وہاں خاصے کے گھوڑے ہیں جو دیکھ آؤ

جونہی یاقوت نے یہ حکم پایا
سُوئے اصطبل شاہی فوراً آیا

بندھے تھے سینکڑوں وال اسپِ شبدیز
چلیں تو جائیں آندھی سے بھی کچھ تیز

نظر سائیس ان کو اپنے آئے
انہیں پہچانکر سب ہنہنائے

[illegible]

عہ اعلانِ نون بعدِ اضافت غیر فصیح ہے۔ مگر اعلام میں اسکی پابندی نہیں ہوسکتی خصوصاً غزنی نثر کیجئے نام کہ اسمیں اعلان نون بحالت وقف بھی ہوتا ہے۔

جمال الدّین نے چھانٹے وہ رہوار
جو تھے مشہور دُلدُل اور ہوادار

پری برق و سمند و ناز و اشتر
فلک سیر و زمیں پیما و صرصر

یہ سب صید افگنی کے کام کے تھے
بہت مشہور چال اور گام کے تھے

غرض جب چھانٹنے سے پائی مہلت
بُلا یا شہ سواروں کو بعجلت

کہا اُن پہ سواری لے کے دیکھو
کہ چلنے میں نہ ان کے کچھ کمی ہو

منگا کر دیکھے پھر زین و عرق چیں
زر آگیں ساز و سامانِ نگاریں

یہ سب سامان جب بے عیب پایا
تو پھر اس نے بہلیوں کو بلایا

سنایا انکو حکمِ نائبِ شاہ
کہ کل چلنا پڑے گا تم کو ہمراہ

مہیّا کر چکا سامان سارا
تو خدمت میں رضیہؔ کی وہ آیا

کہا "ملکہ" نے کہو جی کیا خبر ہے؟
کہا "تیّار سامانِ سفر ہے"

خدا رکھے تجھے آباد و دِل شاد
اسی دم ہو گئی تعمیل ارشادؔ

ملک الطونیہؔ سے رضیہؔ کی ملاقات

مرے ساقی نہ خالی دے مجھے جام
نہ اپنے میکدے سے پھیر ناکام

جو دینا ہے تو دے بھر کر لبالب
دکھا دریا دِلی اپنی مجھے اَب

بڑھا یا وہ شہِ خاور نے دربار
وہ آ پہنچی گھٹا بن کر شبِ تار

رضیہ دادِ عدل و داد دے کر
اٹھی دربار سے با حشمت و فر

سواری تھی درِ دولت پہ تیّار
سوئے قصرِ معلّےٰ آئی اک بار

یہ عالی شاں محل تھا التمش کا
جو باتیں آسماں سے کر رہا تھا

یہ تھا باہر سے تاریکی میں مستور
مگر اندر سے تھا اک بقعۂ نور

بنا کمرہ جو اس کے درمیاں تھا
وہ گویا صحنِ گلزارِ جناں تھا

[illegible]

بکثرت تھے جو روشن جھاڑ فانوس — تو اپنی زندگی سے شب تھی مایوس
نہ آویزاں چھتوں سے قمقمے تھے — ستارے آسماں سے جھانکتے تھے
کہیں تھی مشتریٔ چرخ تاباں — کسی جانب عطارد نور افشاں
کہیں گستردہ فرشِ خز و کمخواب — بچھی تھیں کرسیاں میزیں بھی نایاب
نہیں مخمل پہ گستردہ وہ قالیں — یہ سبزے میں گلوں کی کیاریاں تھیں
وہ زرّیں مسندیں وہ گاؤ تکیے — کلابتّو ٹکے جنکے حاشیے تھے
سرِ مسند رضیّہ جا کے بیٹھی — عجب انداز وہ دکھلا کے بیٹھی
غضب تھا مطلعِ انوار مکھڑا — جبیں مہتاب کا چھوٹا سا ٹکڑا
وہ آنکھیں مدھ بھری گیسو وہ خمدار — وہ ماتھا پر ضیا گلگوں وہ رخسار
خمِ ابرو ہلالِ عید گویا — نگاہیں صاعقہ ئیں جس کی ہے جویا
غضب صورت تھی اسکی پیاری پیاری — کہ خوبی کہتی تھی میں تجھ پہ واری
اتارا ڈیل سے ملبوسِ دربار — کہ تھا گل سے بدن پر وہ بھی گرانبار
کیا زیبِ بدن ملبوس ہلکا — دوپٹّہ کو دیا شانوں سے ڈھلکا
چلی سوئے چمن وہ سیر کرنے — گل و ریحاں کی حالت غیر کرنے
بہارِ باغ نے کی پیشوائی — صبا بھی خیر مقدم کہنے آئی
چرایا کبک نے اندازِ رفتار — اڑایا روئے گل نے رنگِ رخسار
نظر جب آگئی رنگت لبوں کی — طلب کی قرض شفتالو نے سرخی
جو دیکھا سرو نے وہ قدِ دلجو — تو تھرّایا بیک پا وہ سرِ جو
حصولِ چشمِ مینا کی ہوس میں — بچھائیں زیرِ پا نرگس نے آنکھیں
چھریرے ڈیل کی دیکھی لچک جب — لچک جانیکا سیکھا بید نے ڈھب
نظر آیا جونہی بالوں کا گھونگر — تو آیا سنبلِ پیچاں کو تیور

جو سایا جسمِ جاں پرور کا پایا — نصیبہ سبزۂ خفتہ کا جاگا
طرب آگئیں سماں گلشن کا پاکر — لگی اٹھکیلیاں کرنے سمن بر
ٹہل کر جی کو بہلانے لگی وہ — چمن کو فیض پہنچانے لگی وہ
مگر دل سے یہ کہتی تھی وہ پُرفن — "اکیلے کیا ہے لطفِ سیرِ گلشن"
"اگر اطونیہ اس وقت ہوتا — تو لطفِ سیر ہو جاتا دو بالا"
اسی اثناء میں باری دار آئی — بصد آداب اس نے یہ خبر دی
"ملائک سیرت و افلاک جاہا — سخاوت گستر و گیتی پناہا
"ملک اطونیہ حاضر ہوا ہے — حضوری سے یہ اسکا مدّعا ہے
"کہ حکم باریابی اسکو ملجائے — کہا "رُوکا ہے کیوں؟ اسکو کہو آئے"
وہ آیا اور بجا لایا سب آداب — کشادہ پھر ہوا لفزِ سیر کا باب
رہے کچھ دیر تو ملکی مباحث — نمایاں پھر ہوا آنے کا باعث
کہا "کرنا ہے مجھ کو مختصر بات" — کہا "ہے یہ بھی آدابِ ملاقات"
کہا "کرتا ہوں اظہارِ ارادت" — کہا "ہے آپکی یہ سب عنایت"
کہا "مجھ کو غلام اپنا سمجھ لو" — کہا "بیشک فدائی اک تمہی ہو"
کہا "بندہ ہر اک خدمت کریگا" — کہا "مالک جزائے خیر دے گا"
کہا "جاں آپ پر میری فدا ہو" — کہا "ہمت کا حامی کبریا ہو"
کہا "میں حسنِ حضرت پر ہوں مرتا" — کہا "مُردوں کو حق ہے زندہ کرتا"
کہا "میرا نہیں دل میرے بس میں" — کہا "پھر کیا ہے میرے دسترس میں"
کہا "میں آپ کا ہوں عاشقِ زار" — کہا "ہے عشق سے جی میرا بیزار"
کہا "اچھی نہیں بے اعتنائی" — کہا "اس پر توجہ ہے برائی"
کہا "یہ بے رخی تو جان لیگی" — کہا "زندہ وفاداری رہیگی"

Taj Tahir Foundation

کہا "پھر کھیل جاؤنگا میں جاں پر"
کہا "کوئی بچا ہے کب جہاں پر؟"

کہا "ہو جائے مجھ سے ربطِ شرعی"
کہا "باقی رہے گر ضبطِ شرعی"

کہا "در خواست سے میری ہے انکار؟"
کہا "ہوتا ہے کیسا اور اقرار؟"

کہا "پھر ہجر کے صدمے یہ کبتک؟"
کہا "سلطاں نہ واپس آئیں جبتک"

زباں سے مژدۂ جاں بخش سنکر
قدمبوسی لگا کرنے وہ مضطر

ہٹا کر پاس سے بولی رضیہ
کہ "کل صید افگنی کو ساتھ چلنا"

"بہت بہتر حضور" اس نے کہا پھر
اجازت لیکے گھر واپس ہوا پھر

جو لیٹا جا کے وہ بستر کے اوپر
دلِ حسرت زدہ تھا بس مکدر

کہا "دیکھوں دکھاتا ہے یہ کیا دل
امید و بیم میں ہے مبتلا دل"

"بہت کچھ عشق گو میں نے جتایا
نہ پھر بھی اس کے دل کی تہ کو پہنچا

یہی ہے بس مرے جی میں سمایا
کہ باتوں میں مجھے اسنے اڑایا"

"نہ گھبرا اے دل مضطر نہ گھبرا
کہ قول اسد کا ہے نیز امید افزا"

ابھی سے کسلئے کرتا ہے دہک دہک
"مصیبت سہ تو شہ کی واپسی تک"

جھلک امید کی بھی ہے سخن میں
"بہار آئیگی اِکدن اس چمن میں"

غرض نیند اڑ گئی چون و چرا میں
گزاری اس نے شب بیم و رجا میں

ادھر عاشق تھا بستر پر تڑپتا
ادھر معشوق کا دل تھا کلپتا

جونہی الطونیہ واپس گھر آیا
دلِ نازک رضیہ کا بھر آیا

پڑھی مژگاں نے جو اشکوں کی تسبیح
پریشانئِ دل کی تھی وہ تشریح

تہِ رومال جب چہرہ چھپایا
تو گویا ماہ زیرِ ابر آیا

خواصوں نے جو پوچھا دست بستہ
کہ "ہے کیوں دشمنوں کا دل شکستہ؟"

کہا "اُس بات کو پوچھو نہ للہ
مکدر ہے بہت اِسوقت دل آہ!"

کہا سب نے کہ "کچھ تو بھید کھولو"
کہا "جاؤ یہاں سے اب نہ چھیڑو"

خواصوں نے بچھایا جا کے بستر
کہا "سو رہئے تھوڑی دیر چل کر"

پریشاں پوچھ کچھ سے تھی رضیہ
وہ لیٹی تا کہ طے ہو یہ قضیہ

لیا ڈال اسلئے منہ پر دوشالا
کہ چھٹ جائے کہیں بک بک سے پیچھا

بدلتی وہ رہی کروٹ پہ کروٹ
نہ پائی نیند کی آنکھوں میں آہٹ

یہ سوچا کی کہ "ہونی کیا ہے آخر
گیا الطونیہ آزردہ خاطر"

"بھلا ہے وہ برا اس کو نہ کہتی
وہ کہتا جاتا اور میں سنتی رہتی"

"تکلف اس سے میں ہرگز نہ کرتی
یہ کہ دیتی کہ میں ہوں تم پہ مرتی"

"جوانِ خوبرو ہے وہ نکو ذات
عبث رد میں نے کی اسکی ہر اکبات"

"اُسے ہنس ہنس کے میں نے تو بنایا
مگر اس پر بھی وہ مجھ سے نہ بگڑا"

"نہ مجھ کو صاف دل سے چاہتا گر
تو ان باتوں سے ہوتا وہ مکدر"

"بظاہر ہوں میں بے پروا و لیکن
بغیر اس کے نہ چین آئیگا اِک دن"

"بگڑ جاتا تو دل پر کیا گزرتی
تڑپتی عمر بھر جلتی نہ مرتی"

"سفر سے آئینگے واپس جو سلطاں
کرونگی ان پہ ظاہر رازِ پنہاں"

"نہ کچھ انعام مجھ کو نقد و زر دیں
فقط الطونیہ سے عقد کر دیں"

غرض یہ دل سے باتیں کرتے کرتے
سحر کی ٹھنڈی سانسیں بھرتے بھرتے

پلک جھپکی رضیہ نے پلک بھر
جگایا اس کو بیدارہ نے آ کر

Taj Tahir Foundation

صید افگنی

مرے ساقی شراب ایسی پلا تیز
جو شبدیز طبیعت کو ہو مہمیز

فلک پر ہو اگر آہوئے مضموں
کمندِ فکر سے میں قید کر لوں

مجھے دے ساقیا اک جام صہبا
دکھانا ہے سماں صید افگنی کا

ہوئی جب صبح اور وہ جانِ جاناں
اٹھی بستر سے بس مسرور و فرحاں

رُخِ پرنور سے گیسو جو سرکے
تو نکلا آفتاب ابرِ سیہ سے

جمال الدین کے سائیس آئے
رضیہ کے فرس ہمراہ لائے

رضیہ کو کیا دلدل پہ اسوار
ہوئے دس بیس ساتھ اور اسکے سردار

فرس کھل کے جوہر اک پہنایا
تو مُردوں کو بھی سوتے سے جگایا

جونہی یہ سب کے سب جنگل میں آئے
تو آئی سامنے اک نیل گائے

[illegible]

بہاؤ الدین نے دیکھا نہ بھالا
لیا بھالا اور اس پر گھوڑا ڈالا

ہرن لیکن ہوئی وہ گائے اسطرح
بگولا ہو رواں میداں میں جسطرح

رہے سب دیکھتے ہی دیکھتے واں
ہوئے نظروں سے اسپ اور گائے پنہاں

اسی اثنا میں آیا اک چکارا
رضیہ نے اسے نیزے سے مارا

اسے گھیرا تھا بندوبست کر کے
کہ نکلا اک ہرن بھی جست کر کے

وہ گھوڑا اس پہ فخر الدین نے ڈالا
ہوا نے گود میں جسکو تھا پالا

چلا گھوڑا جونہی فرّاٹے بھرتا
تو آہو بھی چلا کر چھال کرتا

نگاہوں سے ہوئے وہ دونو غائب
فقط تھی گرد۔ آہو تھا نہ راکب

ہوئی ہمراہیوں میں جب جدائی
رضیہ کے یہ دل میں بات آئی

ذرا حال انکا کیجے چل کے تحقیق
ہٹے دل سے غبار رنج تفریق

بڑھایا ایک جانب اسنے رہوار
جلو میں سب چلے سالار و سردار

قضارا تھی کچھار اک شیر کی واں
ڈکارا سونگھ کر وہ بوئے انساں

چھلانگ اِک مار کر نکلا وہ ضیغم
بھرے پیٹ اپنا پی کر خونِ آدم

نکر پایا جو خود کو اس نے محصور
تو غرّانے لگا وہ حسب دستور

نپا کر بھاگنے کی راہ بالکل
مقابل ہو کے لڑنے پر گیا تُل

رضیہ جا پڑی اس پر ڈپٹ کر
تو اس نے بھی کیا حملہ جھپٹ کر

رضیہ نے ادھر بھالے کو تولا
ادھر منہ شیر نے جھنجلا کے کھولا

لپک کر اک طمانچہ ایسا مارا
پکارا الاماں دلدل بیچارا

اگر پاکھر نہ دلدل پہنے ہوتا
اجل کا ہاتھ بن جاتا طمانچا

رضیہ کو بھی گھیرا تھا قضا نے
بچایا لیکن اس کو کبریا نے

اسد تو کر رہا تھا جست پر جست
ہوئے جاتے تھے سبکے حوصلے پست

رضیہ نے مگر دل کو سنبھالا
لگایا شیر کے سینے پہ بھالا *

اسد نے جست کی پھر زخم کھا کے
جمے پنجے سرِ دلدل پر آ کے!

وہ آیا تھا کہ پنجہ ایسا مارے
رضیہ کو اجل کے گھاٹ اتارے

مگر یاقوت آیا یوں لپک کر
کہ کوندھا جسطرح آتے ہے جھک کر

مقابل آتے ہی نیزہ سنبھالا
سر آقا سے اس آفت کو ٹالا

مگر وہ شیر بھی اک جِن تھا گویا
کیا یاقوت پر بھی اس نے حملہ

جو رو کا داہنا پنجہ سپر پر
تو بایاں پنجہ اِس نے مارا سر پر

جمال الدین نے سر کو بچا کر
جو ماری ضربِ شمشیرِ دو پیکر

تو دو ٹکڑے ہوا وہ شیر غرّاں
گرا روئے زمیں پر ہو کے بیجاں

رضیہ نے کہا یاقوت شاباش
تری مخفی جلادت اب ہوئی فاش

* بپھر کر پھر مڑا الطونیہ پر
لگائی ایڑ اسنے نکلا بچکر *

نہ زندہ آج میں رہتی نہ تو سن
جو آجاتا نہ تجھ سا شیر افگن
رضیہ نے جو کی یوں اسکی تعریف
ہوئی سب حاسدوں کو سخت تکلیف
کھڑے تکتے رہے تھے بے بسی میں
جو کچھ سردار! وہ کہتے تھے جی میں
نہیں ہم شیر کو کر سکتے نخچیر؟
جمال الدین نے مارا کولسا تیر
اسی اثناء میں فخر الدین بھی پلٹا
ہرن فتراک سے اس کے بندھا تھا
بہاؤالدین حسن بھی واپس آیا
پکڑ کے نیل گائے ساتھ لایا
رضیہ دیکھ کر ان کو ہوئی شاد
کہ لائے اپنا اپنا صید صیاد
کہا سب شیر دل ہیں میرے سردار
انہیں سے ہے مزین میرا دربار
غرض ہر اک کا دل یونہی بڑھاتی
لطیفہ کہتی اور ہنستی ہنساتی
پلٹ آئی وہ گھر فرحان و مسرور
کہ ہے عمرِ سفر کوتاہ مشہور
مؤرخ یوں بیاں کرتے ہیں احوال
اسی صورت سے گزرے پانچ چھ سال
کبھی شغلِ شکار و شعر و شطرنج
کہ بہلے جی گھڑی بھر دور ہو رنج
کبھی فکرِ مہمات سیاست
کہ پائندہ رہے جس سے حکومت
زبس غیرت بھی اسکے آب و گل میں
چھپائے رکھا داغ عشق دل میں
خبر سننے میں آئی بعد چندے
کہ شاہ التمش نزدیک پہنچے
پزیرائی کو نکلے اہلِ دربار
کیا سامانِ استقبال تیار
پہنچتے ہی ہر اک سے شہ نے پوچھا
رضیہ نے سنبھالا کام کیسا؟
کہا سب نے کہ شاہا چشمِ بد دور
بہشتِ عدل و نصفت کی ہے وہ حور
رضیہ کی یہ شش سالہ حکومت
رعیت کے لئے تھی وجہ راحت
کوئی تھا عقل کا اسکی ثنا خواں
کوئی مداح جود و عدل و احساں
کوئی کرتا تھا توصیف سیاست
کوئی تھا مادحِ طرزِ حکومت

کوئی فہم و جلادت کا تھا وصّاف
کوئی کشّافِ خوش خلقی و الطاف
سنا جب شاہ نے یہ سارا قصہ
تو چشمِ لطف سے بیٹی کو دیکھا
جھڑک کر پھر کہا درباریوں سے
"نہیں ہیں پوچھتا اوصاف اسکے"
"کوئی ظلم اس سے گر سرزد ہوا ہو
تو اسکا حال سچ سچ مجھ سے کہدو"
وہ بولے یکزباں ہو کر کہ "شاہا!
فریدوں طالع و جمشید جاہا!
رضیہ ظلم سے بالکل بری ہے
کہ عدل و لطف کے گھر میں پلی ہے
اگر یہ معدلت گستر نہ ہوتی
تو خلقت اسکی مدحت گر نہ ہوتی"
نہ کہہ خنیا گرِ خوش لحن تاخیر
کہ گرنے کو ہے غم سے طبعِ دلگیر
سنا وہ ٹیپ جو ہو دل کی ڈھارس
رہے سب تلخیوں پر بھی بنا رس

دوسرا باب

التمش کی وفات۔ رکن الدین فیروز کی حکمرانی

رضیہ کی ناتوانی

پلائے ساقیا مجھ مضمحل کو
کہ حاصل ہو ذرا تفریحِ دل کو
نہ رکھنا میرے ساقی مجھکو ناکام
دیئے جانا غروبِ شمس تک جام
جب آیا التمش چھ سال کے بعد
بہنگامِ سعید و طالعِ سعد
ہوا سارے محلوں میں چراغاں
مہیا ہو گئے عشرت کے ساماں
رضیہ کے کئی سرکردہ سردار
اشارے پر تھے کٹ مرنے کو تیار
کھلانے پر وہ گل آمادہ ہوتی
تو کانٹے باپ کے رستے میں بوتی

[illegible]

مگر وہ فطرتاً تھی نیک کردار — اٹھایا سلطنت کا باپ کی بار
امانت اسکی پھیری بے کم و کاست — ہوئی کارِ نیابت سے وہ برخاست
وہ کارِ سلطنت سے ہو کے معزول — رہا کی باپ کی خدمت میں مشغول
برادر اس کے نالائق کئی تھے — جلے وہ آتشِ رشک و حسد سے
رضیہ پر پدر کیوں مہرباں تھا — غم و غصہ سے ہر اک بدگماں تھا
وہ بھائی اسکا رکن الدین فیروز — کہ جس کی ماں تھی شہ ترکان دلسوز
ولی عہدی کی رکھتا تھا تمنا — مگر آوارہ و بدکار و دوں تھا
بیاں کی اس نے مادر سے یہ خواہش — کہ کیجے شاہ سے چل کے سفارش
گئی ماں لیکے اسکو شاہ کے پاس — کہ شاید اسکے کہنے کا کرے پاس
ہوئی یوں شہ سے شہ ترکاں مخاطب — کہ اے شاہنشہہ والا مراتب
رکھو فیروز پر بھی دستِ اشفاق — یہ ہے کارِ جہانداری میں مشتاق
کہا شہ نے کہ "دوں ہمت ہے بخر — نہیں ہے قابلِ دیہیم و افسر
نہیں ہے سلطنت کا کام کچھ سہل — رضیہ ہے فقط اسکے لئے اہل
مناسب ہے یہ میخواری کئے جائے — وظیفہ اپنا جو کچھ ہے لئے جائے
اگر اسکو خیالِ تاج ہوتا — تو آوارہ نہ ایسا آج ہوتا
یہ میخواری سے ہوتا دست بردار — کرے جو ترک غفلت ہے وہ ہوشیار
جہانبانی کا کیوں یہ مول لے رنج — یہ کھیلے دوستوں سے نرد و شطرنج"
سنیں فیروز نے باتیں یہ ساری — اٹھا واں سے وہ باصد شرمساری
پسر کو ماں نے یوں اٹھتے جو دیکھا — ہوئی وہ شاہ سے اسطرح گویا
نہیں ہیں عورتیں شاہی کے قابل — کہ عقل انکی نہیں ہوتی ہے کامل
حکومت ہے فقط مردوں کا حصہ — کہاں عورت کہاں شاہی کا عہدہ

خدا رکھے رضیہ اب جواں ہیں — امنگیں دل کی جوبن سے عیاں ہیں
مناسب ہے کہ عقد انکا کہیں ہو — مگر دولھا جو ہو وہ بھی حسیں ہو
یہ مانا آپ کو دختر ہے پیاری — مگر کب تک رہے گی یہ کنواری
رضیہ کو یہ سنکر شرم آئی — نگہ کی نیچے اور گردن جھکائی
دیا شہ نے جواب اسکو کہ بیگم — رضیہ کی نہ کر فکر اور نہ کھا غم
یہ دختر ہے حقیقت میں جوانبخت — مزین ہے اسی سے تاج او تخت
نہیں دختر مرا فرزند ہے یہ — خدا کی یاد میں خورسند ہے یہ
اسی میں یہ رہیگی شاد و محظوظ — کہ پیغمبر سے عقد اسکا ہے محفوظ
عنایت ہے اگر اس پر خدا کی — تو ہوگی یہ حرم خیر الوریٰ کی
بنیگی مالکِ دیہیم و افسر — کریگی عدل سے دنیا منور
جو شہ ترکاں نے یہ دیکھا کہ سلطاں — نہیں سنتا کوئی معقول برہاں
کہا رنج اس سخن سے پائیے گا — سنبھلئے۔ دیکھئے پچھتائیے گا
کہا شہ نے تمہیں کیا فکرِ انجام؟ — رکھو تم صرف اپنے کام سے کام
غرض آخر کو منہ اپنا سا لیکر — حضورِ شہ سے شہ ترکاں گئی گھر
جو فرصت شبکو سب دھندوں سے پائی — بہت دل میں رضیہ سٹ پٹائی
کیا الطونیہ سے میں نے اقرار — کروں کس منہ سے آخر اب میں انکار
اگر معلوم ہوتے یہ نتیجے — تو میں اقرار ہی کرتی نہ اس سے
میں آخر کیا کروں تدبیر اے دل — بہت وعدہ وفائی اب ہے مشکل
اگر میں مومنوں کی ماں بنوں گی — تو دلبر سے بھلا کیونکر ملوں گی
غضب کا جادوئے تقدیس ڈالا — فلک نے آہ! مجھ کو پیس ڈالا
پھنسی میں آہ رنج جاں گسل میں — رہینگی حسرتیں اب دل کی دل میں

Taj Tahir Foundation

خلافِ رائے سلطاں رائے جستن
بخونِ خویش باید دست شستن

کسی پہلو نہیں انکار کی تاب
کدھر جاؤں ادھر آتش ادھر آب

بہت اس مخمصے میں طبع اُلجھی
مگر گتھی یہ سلجھائے نہ سلجھی

نہ کوئی امن کا پہلو جو پایا
تو آنکھوں سے لہو دل کا بہایا

ہوئی بیہوشی اس صدمے سے طاری
بڑی مشکل سے اسنے شبگذاری

بہت سوچا کی اسکا حسن اور قبح
اسی الجھن میں آخر ہو گئی صبح

کہا دل نے جو کچھ ہونا ہے وہ ہو
خبر التونیہ کو اس کی دیدو

منگا کر بس وہیں قرطاس و خامہ
لکھا التونیہ کے نام نامہ

کہ "اے سردار خوشخو و وفاکیش!
ستمکش عاشقِ مہجور و دلریش"

ملوں کیونکر مقید ہوں قفس میں
ضرور آتی جو ہوتی اپنے بس میں"

یہ ہے حکمِ شہنشاہِ نکو ذات
جوانی میں کروں میں ترکِ لذّات"

حرم فرضی ہوں خیر الورے کی
نکالی ہے نئی صورت سزا کی"

جو میں نے شرط ان کی یہ نباہی
تو پاؤنگی صلے میں تختِ شاہی

بمجبوری وہ ہوتا ہے شکستہ
جو عہدِ زوجیت میں نے کیا تھا"

تمہیں ملنے کی باقی اب کوئی راہ
جدا ہوتی ہوں تمسے با صد اکراہ"

پڑھی التونیہ نے جب وہ تحریر
تو غصّے سے ہوا رنگ اسکا تغیر

رضیہ کو جواب اس نے یہ بھیجا
کہ او غارت گرِ ہوش و تمنا!

جفا پیشہ ستم آرا دغا باز
تری تحریر کا مجھ پر کھلا راز"

وفائے عہد سے تو پھر گئی اُف
تری اس حرصِ تخت و تاج پر تُف

مرے آگے تو کرتی ہے بہانے
یہ اس سے کہہ کہ جو تجھ کو نہ جانے"

یہی عاشق نوازی کے ہیں اسلوب؟
بہت اچھا۔ بہت بہتر۔ بہت خوب!

نہ ہو تو حکمرانی میں جو ناکام
ملک التونیہ میرا نہیں نام

ہمارا صبر دیکھ اپنی جفا دیکھ!
سمجھ جا او وفا نا آشنا دیکھ!

ادھر تھا نامہ و پیغام کا دور
ادھر ہونے لگا سامان کچھ اور

چڑھا جب اک پہر سے دن زیادہ
تو شمس الدین سوئے دربار آیا

یہ لکھوا کر کئے جاری پھر احکام
ہر اک سردار و صوبیدار کے نام

رضیہ ہی ہماری جانشیں ہے
وہی اب مالکِ تاج و نگیں ہے

جو اس سے کوئی سرتابی کریگا
تو اپنا خون اپنے سر پہ لیگا

ولیعہدی کا جھگڑا جب ہؤا دور
ہوا تب دل میں اپنے شاہ مسرور

منارِ شاہ قطب الدین ایبک
ادھورا تھا بلندی میں ابھی تک

کرائی سعی سے تکمیل اسکی
نہ کی صورت مگر تبدیل اسکی

کیا پھر جمع خاص و عام سبکو
کہ رسم افتتاحی بھی ادا ہو

منادی نے ندا یوں کی بہ تاکید
منانے آئیں سب ارکان یہ عید

منارہ تھا کہ اک قدرت خدا کی
بلندی چرخ کی اس پر فدا تھی

سزا تھی چرخ کی رفتارِ کج کی
اٹھائی جو زمیں نے اس پہ لاٹھی

منارے کی جو پختہ سیڑھیاں تھیں
وہ گویا نردبانِ آسماں تھیں

وہ چکّر دار زینے جب نظر آئے
تو اپنی چال میں سیّارے چکرائے

بلندی نصف طے کرنیسے اسکی
فرشتوں کی صدا کانوں میں آتی

یہ سنتے ہیں کہ آہِ عاشقاں بھی
لگاتی ہے فلک میں جا کے تھگلی

جو اک منزل منارے کی کرے طے
تو ہم سمجھیں کہ ہاں وہ بھی رسا ہے

منارہ وہ بیک پا ایستادہ
زمانے بھر کا پہرہ دے رہا تھا

کوئی چوٹی پر اسکی چڑھ کے جائے
تو تارے آسماں کے توڑ لائے

ہر اک منزل نہایت خوشنما تھی
کہیں گر منزلِ مصحف کی تصویر
نظر بستی کی جانب کوئی دوڑائے
یہاں بہتا ہوا جمنا کا دھارا
کسی جانب تھا قطب الدین کا روضہ
کہیں اک میل آہن کا کھڑا تھا
جو قوت ہو لگا ہو ئیں کسی کی
کرے نقش و نگار اسکے جو محسوس
بنا اسکی جو سنگ سرخ کی تھی
بنائے تھے جو دیواروں میں روزن
اگر نیچے کے کھنڈ اسکے تھے موٹے
بلندی تھی جو سو گز کے برابر
منارہ تھا غرض یہ ہفت منظر
بنی تھی ایک مسجد پاس اسکے
یہ آثارِ صنادید مجسم ہیں
یہ تھے اسلاف باہمت انکو نام
نہیں اسلام کا انکیں کوئی ننگ
نہیں انکیں مسلمانوں کا شیوہ
کہاں پابندیٔ شرطِ اخوت!
کہاں وہ غیرت اور سچی شجاعت!
کہاں تعمیلِ احکامِ الٰہی!

مثالِ قدِّ موزوں دل ربا تھی
تو ہے انسب کہ ہیں آیات تحریر
تو دنیا بھر نگاہوں میں سما جائے
وہاں گلزار کا دل کش نظارہ
رصد گاہیں نظر آتیں کسی جا
منارے سے جو کچھ پہلے بنا تھا
تو دیکھے قطب کو وہ کیسی دلّی!
تو سمجھے اسکو اک تصویرِ طاؤس
وہ تھی جیسے دلہن گھونگھٹ میں لپٹی
وہ اک قندیل کی صورت تھے روشن
تو اوپر کے تھے بالترتیب چھوٹے
تو تھی وہ پنجاہ گز کی تھی مدوّر
نظیر اسکی نہ تھی روئے زمیں پر
عیاں ہوتی تھی شانِ کعبہ جس سے
جو ابتک پائے جاتے بیش و کم ہیں
کہ ہیں اخلاف جنکے ننگِ اسلام
نہیں اپنے بڑوں کے یہ تو پاسنگ
فقط اسلام کے ہیں نام لیوا
کہ اب ہے بھائی بھائی میں عداوت
کہاں یہ مصلحت بینی! لجاجت!
کہاں تردید آیاتِ خدائی!

[illegible]

کہاں وہ غیرت و توقیر و اقبال
کہاں وہ نورِ مہر باکمالی
کہاں اپنوں کو غیروں سے بچانا
کہاں وہ رزم گاہ و حزم و آزرم
سلف میں تھے وہ اوصافِ جمیلہ
جو یہ کہتے ہیں تھے جد اپنے سلطاں
عزیزو اب نسب پر تم نہ اتراؤ
نصیحت ہے فریضہ واعظوں کا
غرض جس دن ہوا یہ جلسۂ عید
رضیہ بھی گئی ہمراہِ سلطاں
وہ رکھتی تھی زبس موزوں طبیعت
وہ اشعار التمش کو بھی پسند آئے
بیاں کرتا ہے یوں راوی دلسوز
غروب آخر ہوا وہ مہر سیما
جہاں سے التمش نے جب قضا کی
یہ کوشش کر رہی تھی اک جماعت
مگر انبوہ ثانی کی تھی مرضی
رضیہ کی تھی نہ ترکاں جو مادر
بپا ہونے لگی ہر سمت شورش
ہوئی آخر میں شہ ترکاں ظفریاب
دبایا فوج کو تیغ و تبر سے

[illegible]

کہاں یہ ذلت و خواری بہرحال
کہاں یہ تیرگیٔ خستہ حالی
کہاں غیروں کو اپنوں پر چڑھانا
کہاں یہ بزم گاہ و عزم بے عزم
خلف میں ہیں یہ اطوارِ رذیلہ
تو ہنس دیتے ہیں ہو کر غیر حیراں
جو غیرت ہے تو خود کچھ کر کے دکھلاؤ
سنا تو صدرِ ہم کو قصہ اپنا
ہوئے حاضر سب ارکان و صنادید
کہ دیکھے جا کے وہ تعمیر ذیشاں
کہی تاریخ تکمیلِ عمارت
منارے پر جلی حرفوں میں لکھوائے
کہ بعد اسکے جیا سلطان کچھ روز
پسند آیا نہ اس دنیا میں رہنا
تو پھیلی ملک میں نا اتفاقی
کہ ہو جائے رضیہ کی حکومت
ملے فیروز ہی کو تخت شاہی
بنی انبوہِ ثانی کی وہ رہبر
جبھی دونوں ہوئے مصروفِ سازش
دیا بیٹے کو رکن الدیں کا القاب
تو حاصل کر لی بیعت ملک بھر سے

Taj Tahir Foundation

ہوئی دہلی میں رکن الدین کی شاہی
نہیں شاہی اسے کہئے تباہی

نہ تھا دربار اسکا میکدہ تھا
کہ جس میں دورِ صہبا چل رہا تھا

رضیہ کو ہوئی جسدم ہزیمت
تو مجبور آ ہوئی پابندِ عزلت

جمال الدین یاقوت کی رضیہ سے محبت

ارے ساقی نہ بنتے بالے بتلا
کہ تیرے رند کا ہے حال پتلا

بھلا کس کام کی وہ آبکاری
جو مجھ پر بند ہو غیروں پہ جاری

اگر جامِ مئے کہنہ میں پاؤں
تو تازہ ایک افسانہ سناؤں

ہوا فیروز اپنے عہد کا شاہ
رضیہ مبتلائے گریہ و آہ

نہایت سخت تھا اکروز موسم
کڑی تھی دھوپ اور تپتا تھا عالم

وہ لو کی گرم بازاری کے ایام
کہ کانٹا ہو رہے تھے سب گل اندام

محل میں ایک تہ خانہ بنا تھا
جو قطبِ ارض کی صورت تھا ٹھنڈا

دروں پر اسکے خس کی ٹٹیاں تھیں
سبب سے جنکے ٹھنڈی گرمیاں تھیں

جو ہوتا دم بدم تھا ان پہ چھڑکاؤ
تو خوشبو انکی دلکے بھرتی تھی گھاؤ

رکھے تھے جابجا اس میں جو گملے
تو فوجِ رنگ و بو کرتی تھی حملے

رضیہ تھی وہاں مصروفِ راحت
کہ تھا ہنگامِ بیکاری و عزلت

جو کرتی باپ کی الفت کو وہ یاد
تو ہو جاتی تھی بندِ غم سے آزاد

جو ماں کی کج ادائی یاد آتی
تو کڑھتی دل میں اور آنسو بہاتی

وہ کہتی دل سے کیسی سبھ گھڑی تھی
حکومت جب تھی اپنے گھر کی لونڈی

مگر اب آگئی ہے نحس ساعت
کہ میں ہوں اور تنہائی کی آفت

[illegible]

نہ مونس ہے کوئی اپنا نہ یاور
تنِ لاغر فقط ہے اور بستر

خواصیں جھل رہی تھیں اسکو پنکھے
پڑے کل کچھ تو بیکل دل کو اسکے

غرض وہ تھی انہی فکروں میں مبہوت
کہ واں آیا جمال الدین یاقوت

ادا کی اسنے جسدم رسمِ اسلام
خوشی سے ہنس پڑی بس وہ گل اندام

کہا فرمائیے تو آج حضرت!
غریبوں پر یہ ہے کیسی عنایت"

گرا قدموں پہ تب وہ ہو کے نادم
کہا "مالک ہے تو میں تیرا خادم"

وہ بولی "راہ یہ کس نے دکھائی؟"
کہا "دل کی کشش تھی کھینچ لائی"

"شریعت سے نہ ہو جاتا جو مردود
تو میں تجھ کو سمجھتا اپنا معبود"

"غلامی کا یہ تیری مرتبہ ہے
کہ بندہ کل امیروں سے سوا ہے"

"نوازش کو تری بھولا نہیں ہوں
جہاں پہلے تھا میں۔ اب بھی وہیں ہوں"

"جو موقع جاں نثاری کا ملے آج
غلاموں کو ترے پہناؤں میں تاج

"بہت دربار کی ابتر ہے حالت
نہیں فیروز کو زیبا حکومت"

رضیہ نے کہا قدموں سے اٹھو
وہ بولا عفوِ تقصیرات تو ہو"

"کہا کرتے ہو کیوں مجھ کو گنہگار
وہ بولا ایزدِ دانا ہے غفار"

کہا اٹھ کر کرو مقصد کا اظہار"
جوابِ اسکا فقط اشکوں کے تھے تار

نہ اٹھا سر اشد اصرار پر بھی
قدم پکڑے رہا تکرار پر بھی

نظر آیا جو یہ یاقوت کا حال
اشارے سے خواصوں کو دیا ٹال

جو دیکھی تخلیہ کی اسنے صورت
تو پھر بڑھنے لگی عاشق کی جرأت

کہا "مرتا ہوں میں مجھ کو بچا لو
مری جاں! اب مرے ارماں نکالو"

"وفا کا امتحاں میں دیکھا ہوں
نہ یاد آئے تو میں تجھ کو بتا دوں"

"وہ حملہ شیر کا ہو گا تمہیں یاد
دلِ شوریدہ ہے اسدن سے برباد"

کرو اب التجائے عقد منظور
کہ ہو جائے مصیبت ہجر کی دور"

کہا حکمِ پدر سے ہیں ہوں ناچار
کسی سے عقد کر لوں ہے یہ دشوار"

کہا وہ تو ہیں جنّت آشیاں اب"
کہا حکموں کو ہے انکے فنا کب؟

کہا کیا حکم جنّت آشیاں تھا؟
کہا مُردوں سے واقف ہوں نہ اصلاً

کہا یہ تو نہیں حکمِ شریعت"
کہا واجب پدر کی ہے اطاعت'

کہا حکمِ پدر یا حکمِ مولے!
کہا حکمِ خدا ابتلک ہے اولے"

وہ بولا زندگی یہ راہبانہ
تعیّش کا ہے اک عمدہ بہانہ"

جو ہوتی کوئی یہ عمدہ ریاضت
تو اس سے منع کرتی کیوں شریعت

کہا بہتر تو پھر جبتک جیوں گی
نہ میں رہبانیت کا نام لونگی'

یہ سنتے ہی ہوا یاقوت مسرور
کہ اب ہو جائیگی درخواست منظور

کہا یاقوت ہے اک کہنہ چاکر"
وہ بولی ہاں وفا میں سب سے بہتر

وہ بولا ہے وفا کا کوئی انعام
کہا ہاں شکریہ اے نیک انجام

وہ بولا یہ تشکّر کیا بلا ہے؟
کہا اسکے سوا پاس اپنے کیا ہے؟

کہا اب ملتفت تم مجھ سے ہو جاؤ
کہا بیزار تھی کب مجھ کو بتلاؤ"

کہا پہلے تھی باہم کچھ دوئی سی
وہ بولی یہ دوئی اب بھی رہیگی"

کہا شاید نہیں مجھ سے محبّت
کہا ہرگز نہیں تم سے عداوت

کہا شرحِ محبّت اب ہو ارشاد
کہا ہے پاکبازی جسکی بنیاد

کہا ایسی محبّت ہے فسانہ
کہا بہتر ہے پھر تم آزمانا

کہا پھر کیجئے درخواست منظور
کہا میں اپنے وعدے سے ہوں مجبور

کہا کس عہد کا وعدہ ہے حضرت
کہا کرتی تھی جب شہ کی نیابت

کہا یہ وعدہ سچّا ہے کہ جھوٹا؟
کہا داناؤں کا ہے یہ مقولہ"

دل آرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

کہا تقریر حضرت کی میں سمجھا
یہ ہے الطونیہ کی سمت اشارہ

سنبھلئے ہوش کی کیجیے دوا آپ
کجا الطونیہ مردک کجا آپ"

وفاداری کا اسکی ہے یہ مفہوم
کہ حضرت تختِ شاہی سے ہیں محروم

کیا جب شیر نے حضرت پہ حملہ
تو مردوں کو دکھا کر پشت بھاگا

کرے ہر بات پر جو نکتہ چینی
وہی ہو قابلِ پہلو نشینی؟

حکومت تھی تو وہ تھا عاشقِ زار
مگر اب ہو گیا صورت سے بیزار

کہا اسکی نہیں میری خطا تھی
کہ میں نے دشمنی کی ابتدا کی"

کیا پہلے بڑھاوے دیکے مانوس
کیا پھر بعد میں وصلت سے مایوس

جو اب رہبانیت میں چھوڑتی ہوں
شکستہ رشتہ پھر سے جوڑتی ہوں

تمہاری پند تو منظور کر لی'
نہ ہوگی پیروی اب راہبوں کی

یہ سنکر ہو گیا یاقوت برہم
کہا جھنجھلا کے اسنے یوں کہ بیگم!

کہا جو کچھ وہ فرماں تھا تمہی کا
نصیحت تھی یہ کٹناپا نہیں تھا

بڑا وہ چاہنے والا تمہارا
ذرا سی بات پر جو روٹھ بیٹھا

اسے لازم تھا چندے صبر کرنا
کہ لڑنا۔ روٹھنا اور جبر کرنا

روش ہرگز نہیں یہ عاشقوں کی
یہ ہے زودآشنائی فاجروں کی

چھچھورا اور خود مطلب ہے بدذات
گدھے کی لات ہے اسکی ہر اک بات

یہ مانا تم سے بد عہدی ہوئی تھی
تو کیوں معشوق سے اسنے بدی کی؟

تمہارے حسن پر گر تھا فدا وہ
تو بدعہدی سے کیا جاتا رہا وہ؟

وہی ہے حسن اور تم بھی وہی ہو
تمہیں کہدو کہ کیا تم دوسری ہو؟

مگر ہاں سلطنت حاصل نہیں ہے
جو دل مطلوب تھا وہ دل نہیں ہے"

اہاہاہا! یہ طرفہ ماجرا ہے
عدو معشوق کا عاشق ہوا ہے

کجا الطونیہ مفسد کجا عشق
یہ ٹھیری دوستی بندر کی یا عشق!

غرض اسطرح باہم گفتگو تھی
خواص اک دوڑتی اتنے میں پہنچی

نہ کہنے پائی تھی منہ سے وہ کچھ بھی
کہ دزدانہ گھس آئے چند زنگی

پئے قتل رضیہ گھات میں تھے
برہنہ خنجر انکے ہات میں تھے

رضیہ کچھ نہ سمجھی ہے بلا کیا
مگر یاقوت نے ان سبکو گھیرا

لگائے وار وہ ساتھ کے اسنے
کہ دم بھر میں ہوئے ان سبکے ٹکڑے

لگایا جب پتہ تو کھل گیا حال
کہ تشنہ ترکاں کی تھی یہ بھی تو اک چال

یہ مقصد تھا کہ مرجائے رضیہ
وہ بے کھٹکے حکومت پائے بیٹھا

رضیہ کی بچی اسوقت تو جاں
مگر تھا قتل کا ہر وقت امکاں

بچشم تر سوئے یاقوت دیکھا
یہ مطلب تھا کہ ہے شاکر رضیہ

کہا پھر میں کسی قابل نہیں ہوں
"یہ بار احساں کا کیونکر اتاروں؟

حکومت ہے نہ قوت ہے نہ زر ہے
ترا احساں مرے بالائے سر ہے

وفاداری نے تیری لے لیا دل
سمجھ لے تو اسے احساں کا حاصل"

وہ کیا احساں اتارے جو ہو بے بس
دعا کرتی ہوں تیرے واسطے بس"

بہت مجبور ہوں بیحد ہوں ناچار
یہ لے میری نشانی نو لکھا ہار"

زمانے کے نہیں ہیں اچھے آثار
بس اب ہوتی ہوں رخصت با دل زار"

بسر ہوگی کسی جنگل میں جا کر
خدا حافظ ترا اے میرے یاور"

تمہیں اماں انہیں بیٹا ہے پیارا
مرا باقی نہیں کوئی سہارا"

کہا یاقوت نے "للہ مری جاں
نہ اپنے دل کو کر اتنا پریشاں"

چھپاؤں تجھکو میں آنکھوں کے تل میں
ادھر آ رکھ لوں تجھکو اپنے دل میں"

امیر افغاں پہ نالش جب ہوئی تھی
"تو تو نے بات یہ اس سے کہی تھی

"کہ ہے اولاد آدم سب برابر
گدا ہو یا کہ شاہِ ہفت کشور"

غلامی پر نہ میری تو نظر کر
بھروسا رکھ مرے عہدِ وفا پر"

مری درخواست تو کرلے قبول اب
نہ رکھ للہ مجھکو دل ملول اب"

کہا اسنے کہ "ہوں اعداء سے مجبور
بھلا کیونکر کروں درخواست منظور؟"

"تجھے معلوم ہے تیری وفا بھی
شرافت بھی محبت بھی حیا بھی"

"گدا کیسا تو ہے شاہوں سے بہتر
میں ہوں تیری کنیزوں کے برابر"

"ترے احساں نے مجھکو لے لیا مول
نکال اپنی زباں سے تو نہ یہ بول"

"ترے سر پر رہے اللہ کا سایہ
ملونگی پھر خدا زندہ جو لایا"

جمال الدین کی آنکھیں تھیں گریاں
کہ دل تھا آتشِ فرقت سے بریاں"

وفورِ غم سے ابتر حالِ دل تھا
مرض تھا ہجر کا اور جاں گسل تھا

وہ آپے میں نہ تھا معلوم ہوتا
ہوا ناچار رخصت روتا دھوتا

رضیہ کو ہوا اندیشۂ جاں
کہیں جا کر ہوئی حکمت سے پنہاں

ہوئی فیروز کو اس سے مسرت
رہا کوئی نہ حقدارِ حکومت

ہوئے تھے منقضی چھ سات ہی ماہ
کہ دل ملنے لگے مثلِ پرِ کاہ

نہ شہ سے ہو سکا ردِ مظالم
کہ مینوشی کی اسمیں تھی لگی رلم

کہا لوگوں نے "بالکل بے خرد ہے
امورِ سلطنت سے نابلد ہے"

ہوئی آخر امیروں کی یہ حالت
بہم کرنے لگے سازِ بغاوت

جو دیکھے شہ نے انکے بگڑے تیور
چڑھائی کردی سب پر لیکے لشکر

ہوا آوارہ جو شہ کیلوکھری میں
جلیندی کے کچھ آئی بات جی میں

تعلق شاہ سے اپنا دیا چھوڑ
سر رشتہ بدایوں سے لیا جوڑ

ملا پھر سیف دیں کو جی جب اُسے — تو سب مل کر سوئے لاہور آئے
غرض لاہور سے آگے بڑھے وہ — مسلسل فوجِ شاہی پر چڑھے وہ
جونہی منصور پور آئیں وہ فوجیں — تو عزلِ شاہ پر کیں سب نے مہریں
جو سردار آئے تھے فیروز کے ساتھ — لگے ملنے وہ سب افسوس سے ہاتھ
کہ عیاشی سے شہ کی آئے تھے تنگ — وہ کرتے اسکی خاطر کیوں بھلا جنگ
صلاحیں کرکے سب نے ساتھ چھوڑا — سوار اسپ جا رہا باقی نہ گھوڑا
رضیہ کا نصیبہ جاگ اٹھا — کہ اسکو تختِ شاہی پر بٹھایا
ہوا فیروز اس منصب سے معزول — رضیہ ہو گئی ان سب میں مقبول
دکھایا دن مسرت کا خدا نے — رعایا نے بجائے شادیانے
جو حاسد تھے حسد سے وہ گئے جل — کیا احباب نے جنگل میں منگل
گھر دشمنوں کے بھیروں ناچا — رہے میدان میں سب دست پاچہ
مغنّی فجر ہے نغمہ سنا جان! — فلک پر پہنچے وہ اونچی اڑانان
سنے لے لو لگی افلاک تیری — اتر آئے زمیں پر رقص کرتی
نہ غم نزدیک آنے پائے حاشا — بجیں طنبور و مردنگ اور تاشہ

تیسرا باب

رضیہ کی تخت نشینی کا جشن

مرے فیاض ساقی تو کہاں ہے؟ — نہ کر تاخیر جلدی سے پلا مے
بھرا نی مہر و الفت کے پلا جام — نئے سر سے بدلنے کو ہیں ایام
رضیہ کا ہے جشنِ تاجپوشی — کہ ہنگامِ سعیدِ خم نوشی
پئیں خود اور غیروں کو پلائیں — یہ پھر ایام عیش آئیں نہ آئیں
حسینوں ہوشوں کو ساتھ لے لیں — مئے گلگوں سے چلکر رنگ کھیلیں
وہ دیکھو ہو گیا صحرا منوّر — نمایاں ہے فلک پر شاہِ خاور
ہر اک مرد اس طرف کیوں جا رہا ہے! — وہاں اچھا تماشا کوئی کیا ہے؟
سب اہلِ شہر نے چھوڑا ہے گھر بار — دکانیں بند ہیں سونے ہیں بازار
یہ کیسی شہر میں بے رونقی ہے! — یہ ویرانی سی آخر کیوں ہوئی ہے!
بھرے بازار خالی ہو گئے کیوں؟ — روانہ یاں سے مالی ہو گئے کیوں؟
چلو ہم بھی چلیں بہرِ تماشا — کہ ہم رنگِ جماعت ہونا اچھا
یہ آگے مصطبہ کیسا ہے تیار — کھڑی یہ سامنے اسکے ہے کیوں دار؟
اکٹھا ہیں یہاں جلاد سارے — بچو ان سے کوئی گردن نہ مارے
لٹکتے ہیں یہاں سر مجرموں کے — یہ شاید شاہ سے باغی ہوئے تھے
یہاں پھاٹک پہ نوبت بج رہی ہے — جو کانوں کی سماعت تج رہی ہے
پپیری بانسری ہے اور دف ہے — یہ سب ساماں رکھا اک طرف ہے
تحیر تھا ہمارے دل پہ طاری — یکایک آ گئی واں اک سواری
سنا آئے ہیں کوئی خانصاحب — جو ہیں سلطان کے اعلٰے مصاحب

Taj Tahir Foundation

نفیری ہو کہ نقارہ کہ دھونسا
بڑھے آگے تو تھا ایک اور پھاٹک
وہ چوکھٹ اسکی عالیشان دیکھی
وہاں بھی ایک تھا نقار خانہ
درِ دوئم پر ایسے پاسباں تھے
درِ دوئم درِ سوئم کے مابین
نقیبوں کا وہاں بیٹھا تھا سردار
لگے تھے اس پہ جو طاؤس کے پر
چھڑی تھی ہاتھ میں اسکے روپہلی
سپاہی ڈاب سونے کی لگائے
ہر اک کے ہاتھ میں تھا تازیانہ
بڑا سا مصطبہ یہ جو بنا تھا
عوام الناس اسکے نیچے بیٹھے
درِ سوئم بنا تھا اس کے آگے
قلم اک کان میں انکے گھسا تھا
اِدھر درباریوں میں کوئی آیا
عمایدسے وہاں جو کوئی آتا
بڑھو آگے تو اک در اور تھا واں
محاذی در کے تھا میداں کشادہ
اسی پر نصب تھا خیمہ فلک سر
وہاں ریشم کے مصنوعی شجر تھے

ہر اک نے آسماں سر پر اٹھایا
مزیّن تھا گلوں سے سر سے پا تک
فدا جس پر بلندی ہو فلک کی
کہوں کیا اسکا میں نوبت بجانا
جو رعب و داب کے کامل نشاں تھے
بنا تھا مصطبہ با زینت و زین
کلہ پہنے مرصّع اور زر کار
وہ کلغی سے چمکتے تھے سراسر
جڑی تھی شام اس پر اک سنہلی
کھڑے تھے تا نہ اندر کوئی آئے
پٹا وہ جس نے حکم انکا نہ مانا
تنا تھا اسکے اوپر شامیانہ
لڑائی کے فسانے کہ رہے تھے
اکھٹا تھے محرّر واں بہت سے
لئے تھے ہاتھ میں کاغذ کا ٹکڑا
اُدھر جھپ سے انھوں نے نام لکھا
بغیر اسکے نہ اندر جانے پاتا
کہ عظمت کا نہیں تھا اسکی پایاں
یہیں تھا جشن کرنے کا ارادہ
سمائے ربعِ مسکوں جسکے اندر
کہ جن میں برگ تھے گُل تھے ثمر تھے

سوا انکے شجر اصلی بھی تھے واں
نہال و گل پہ بیٹھے تھے عنادل
جو زینت اِس زمیں کی دیکھ پاتی
مہک پھولوں کی آتی تھی جو ہر بار
زمیں یہ تھی اگر میدانِ جنّت
منقّش چھت تھی ایسی بارگہ کی
بنائے تھے وہ گل بوٹے کہ بُلبل
بچھا تھا فرش غالیچوں کا ایسا
زمیں گلزار تھی اور چھت تھی گلبار
منقّش تھے در و دیوار سارے
بنے تھے جا بجا وہ بیل بوٹے
وہ دیواریں تھیں یا تھے آئنے صاف
نہ چھوڑا رنگسازوں نے کوئی رنگ
بچھا تھا صدر میں اک عاج کا تخت
بچھی تھی ایک کرسی اسکے اوپر
ہزاروں آدمی گرد اس کے بیٹھے
نظر آئی یکایک اِک سواری
بجے جھانجھ اور دوال آئی ڈھل پر
صدا اچّاؤش کی آئی کہ ہشیار
صدا ادوں دوں کی نقارہ جو دیتا
تزلزل تھا زمین و آسماں میں

نہا دھو کر تھیں بیٹھی جنکی کلیاں
کہ جنکے چھپوں سے کِھل گیا دِل
تو جنّت اپنی زینت بھول جاتی
تو ہوتا تھا گماں طبلِ عطّار
تو خیمہ بھی تھا اِک ایوانِ جنّت
ہوا حیراں وہی جسنے نِگہ کی
ثنا خوانی پر آمادہ ہوئے گُل
کہ ہوتا تھا چمن کا ان پہ دھوکا
خزاں سے جنکو کچھ پہنچے نہ آزار
چمک سے جنکی شرماتے تھے تارے
جو دیکھے اسکا جی قابو سے چھوٹے
کہ جنمیں قلب زاہد کے تھے اوصاف
کہ دکھلا نہ ہو اسکا نیا ڈھنگ
جواہر کار تھا وہ تخت یک لخت
جڑے تھے اسمیں الماس اور گوہر
قرینے سے ادب سے قاعدے سے
جلو میں جسکے تھی بادِ بہاری
ہوا گوشِ فلک اِس شور سے کر
نقیبوں نے کہا "یارو خبردار!"
تو تھر تھرا تا دِل ارض و سما کا
کہ ہلچل پہ مچی تھی جہاں میں

Taj Tahir Foundation

صد انکی ہی باجوں سے پیہم
مبارک آمدِ سلطانِ عالم

جو خاصے کی سواری کے تھے گھوڑے
جواہر سازیں انکے ٹکے تھے

صفت کیا شہ کے گھوڑوں کی رقم ہو
کمیت کلک ہی میں جب نہ دم ہو

وہ مرکب ہم عنانِ برقِ جولاں
کہ روشن ہو گیا جن سے وہ میداں

قوی ہیکل سبک رو چاق و بیباک
جو چاہیں طے کریں دم میں نہ افلاک

اٹھا کر اپنی وہ خمدار گردن
دکھا دیتے تھے پریوں کا ساجوبن

جو انکی یال تاروں سے گندھی تھی
دکھاتی دِنکو صورت کہکشاں کی

کلیلوں کا تماشہ وہ دکھاتے
تو طاؤس اپنی ہستی بھول جاتے

جو ان کی گامچی کو دیکھ پاتا
منہ اپنا مہر بادل میں چھپاتا

کہیں سُم سے جو انکی نعل اکھڑا
ہلالِ آسماں بنکر وہ چمکا

نہیں یہ برف کے تودے جبل پر
بہا ہے کف دہانوں سے نکل کر

عرب کی گھوڑیاں تھیں جو کہ کونل
غضب کی شوخ تھیں آفت کی چنچل

پڑے تھے زین پوش ان پر زری کے
پری قربان انکی دلبری کے

جو انکے ساتھ سائیس آرہے تھے
وہ شانِ خسروی دِکھلا رہے تھے

نظر آتی جو نذریں تاج وردی
تو لیتا مانگ چرخ لاجوردی

وہ فیل اسکی سواری کے تھے ہمراہ
گھٹائیں دیکھکر جنکو کریں آہ

معاذ اللہ وہ کالا ڈیل انکا
کیا تھا شب نے گویا دن پہ حملہ

دمامے رعد تھے اور فیل تھے ابر
دلِ عالم سے رخصت ہو گیا صبر

اگر ہوتے تو کہتے پورے عمراں
یہاں صدہا ہیں کوہِ طور جنباں

رضیہ کی سواری میں جو تھا فیل
نہ پوچھو خوبیوں کی اسکی تفصیل

مجھول ایسا اگر لیکر کٹورا
کوئی بیٹھے تو وہ چھلکے نہ اصلا

مغرق موتیوں سے جھول اسکی
ستاروں کی ضیا کو مات کرتی

وہ جھول اسکی وہ جسمِ تیرہ و تار
اسی سے ہے مرادِ ابرِ گہر بار

خمیدہ دانت اسکے دو بڑے تھے
طلائی چوڑے دونو پر چڑھے تھے

وہ اسکی سونڈ تھی یا اژدہا تھا
کہ مارِ ارض جس سے ڈر رہا تھا

جونہی پہنچی رضیہ نزدِ دربار
ہوئے سب سرو قد استادہ اِکبار

وہ بیٹھی آکے کرسی پر جو بارے
تو بسم اللہ کے نعرے سبنے مارے

ہوئی زینت سریرِ مملکت کی
بڑھی عزت سریرِ مملکت کی

سریر اسکے قدم گر چومتا تھا
بلائیں چتر لیکر گھومتا تھا

وہ تھی ماہِ دو ہفتہ چتر ہالا
کہ ہو جس سے نحوست کا ازالہ

کھڑا تھا شہ کے پیچھے شہ قبولا
سماتا تھا نہ جامے میں وہ پھولا

یمینِ بادشہ پر سو جواں تھے
تہہ رنگے نشاں جن سے عیاں تھے

یسارِ شاہ بھی خالی نہیں تھا
اِدھر اِک لشکرِ رعب آفریں تھا

ہر اِک کے ہاتھ میں ننگی تھی تلوار
کہ کرتے ہی اشارہ کر دے اِکوار

یہی تیس خاص تھے خدامِ سرکار
ہمیشہ جانِ سلطاں کے نگہدار

وزیرِ اعظمِ شہ بھی کھڑا تھا
ادب کے ساتھ سر اسکا جھکا تھا

کھڑا تھا پشت پر سردارِ حاجب
عقب میں اسکے نائب تھے بہ آداب

غرض تھے جملہ حکام اور خادم
محرر اور مصاحب اور ناظم

کھچا کھچ تھا بھرا دیوانخانہ
خوشی کا بج رہا تھا شادیانہ

کشاکش تھی وہاں وہ حاضریں کی
جگہ تِل دھرنیکو باقی نہیں تھی

رکھی تھی اک طرف سونیکی مجمر
کہ جس پر جل رہا تھا عود و عنبر

یہ تھا دربار کچھ ایسا معطر
کھِلا چاروں طرف گویا تھا کیسر

Taj Tahir Foundation

نمایاں ہر طرف تھی شان و شوکت کہ سب تھے مجتمع ارباب دولت
بڑھا تب عرض بیگی اور یہ بولا سنو اے اہلِ مجلس حکمِ آقا
"کہ ہم سب کے ولی نعمت کی فرزند جواں بخت و جواں سال و خردمند"
جواں ہمت جہاں سطوت رضیہ خدا نے تاج و تخت اب اسکو بخشا
رضیہ معدنِ عدل و سخاوت رضیہ مخزنِ جود و کرامت"
مبارک ہو اسے دیہیم و افسر ہمیشہ ہم پہ ہو یہ سایہ گستر"
وزیرِ اعظمِ شہ آگے آیا اور اک کشتی میں رکھکر تاج لایا
سرِ سلطاں پہ رکھکے تاج پلٹا دیا پھر تخت کے پایہ کو بوسا
ادب سے نذر دینے کو بڑھا پھر ملا خلعت تو کیسا خوش ہوا پھر
وہیں سب اہلِ مجلس یوں پکارے "رہے سایہ ترا اس سر پہ ہمارے"
خدایا رکھ اسے آباد و دلشاد کہ اسکے دم سے دنیا بھر ہے آباد"
دعا کی اک امیرِ با ادب نے کہا یکبار آمیں جس پہ سب نے
رضیہ اٹھی با صد کامرانی وہ یوں کرنے لگی گوہر فشانی
کہا "فضلِ خدا ہے شاملِ حال ملا ہمکو حق اپنا بعدِ یک سال"
خدا کی ہے رضا خوش ہو رعایا جبھی تو ہمکو سلطاں ہے بنایا
تو کسیکا اسمیں غضبِ حق نہیں ہے یہ "قانونِ بقائے بہتریں ہے"
پھلے پھولے یہ گلزارِ حکومت خزاں کی دور ہو اس سے نحوست"
قواعد اور ضوابط سب جو ہیں سست نئے سر سے کرینگے ہم انہیں چست
جو تابعِ شاہ کے فرماں کے ہونگے وہ قابلِ عزت و احساں کے ہونگے
فلاحِ سلطنت جنکو ہے مقصود رہیگا ان پہ دائم ظلِ ممدود
مگر جو در پئے آزار ہوگا سزاوارِ سزائے دار ہوگا"

"عدالت کیلئے دی ہم کو شاہی رعایا پر ہے لازم خیر خواہی"
یہ کہکر بیٹھی وہ اپنی جگہ پر کہ دیکھوں کہتے ہیں کیا آکے افسر
یہ سنکر جاں نثاروں کا بڑھا جوش ادب نے کی گلوگیری کہ خاموش
ہر اک خواہاں تھا ہم بھی اذن پائیں خوشی دل اپنے کی شہ کو دکھائیں
وزیرِ اعظمِ سلطاں تھا دانا کہ اس نے رنگِ محفل خوب جانا
اٹھا اور بڑھکے یوں کرنے لگا عرض "اطاعت شاہ کی ہم پر تو ہے فرض"
ولی نعمت اب ہم سب کی جانیں حوالے آپ کے ہیں آپ جانیں"
کریگا حکمِ شاہی جو کوئی رد "یہاں باغی وہاں ہوگا وہ مرتد"
سنے یاقوت نے جس دم یہ کلمے تو اک آہستہ سے کی آہ اسنے
وفاداری جو سرداروں کی دیکھی تو بس غیرت سے گھبرانے لگا جی
مثل مشہور ہے دیوانہ راہو کہا یہ عشقِ صادق نے کہ بڑھ تو
نرے ہونے کو کوئی قرباں کیوں جائے خدا یہ دن تجھے ہرگز نہ دکھلائے
چلا آیا قریبِ تخت شاہی قدم کو چوم کر گردن جھکا دی
کشیدہ خنجر اسکے ہاتھ میں تھا مسلط بھوت تھا سر پہ وفا کا
کہا "میں بھینٹ میں دیتا ہوں جاں اب رہیں تا شاہ سے دور آفتیں سب"
جونہی چاہا کہ اک تلوار مارے سر اپنا شاہ پر صدقے اتارے
رضیہ نے نظر غصہ کی ڈالی وہ غصہ جس پہ لطف و رحم واری
نہ ہوتا پاس گر شاہی ادب کا تو بیشک جان پر وہ کھیل جاتا
بحکمِ شاہ اس کے ہاتھ روکا رضیہ بولی "اے سردارِ دانا
خدا سے ڈر نہیں زیبا یہ حرکت کہ مانع اس سے ہے حکمِ شریعت"
اگر ایسی ہی پیاری ہے مری جاں تو کر دو مجھ پہ دو سو دشمنے قرباں"

اگر اہلِ وفا مل جائے مجھ سا
نہ ہو کھٹکا حکومت کو کسی کا

شروع ابتو ہوا نذروں کا تانتا
ہٹا اک دوسرا خدمت میں آیا

ادب سے لوگ پیشِ شاہ جاتے
تو بیعت کرتے اپنا سر جھکاتے

خطیب و عالم و قاضی و عابد
مشائخ منتقی مُلّا و زاہد

برائے نذر لائے تھے کتابیں
بھلا اسکے سوا وہ اور کیا دیں

بڑھا پھر خاندانِ شاہی آگے
جو انکے تھے معزز نذر لائے

معزز عہدہ دارانِ ہزاری
ملی سبکو یہ عزت باری باری

عقیدت کا وہ سب اظہار کرتے
طلائی طشت میں نذرانے دھرتے

چھنا چھن کی صدائیں آئیں پیہم
لگا اک تودۂ دینار و درہم

سوا نقدی کے آئیں پیشکش میں
ضرورت کی ہزاروں اور چیزیں

کوئی اک فیل لایا کوہ پیکر
کوئی گھوڑا کوئی اشتر کوئی خر

فراغت ہو گئی جب اس مہم سے
کھڑے ہو کر صدا دی یہ کسی نے

"اُب اپنے گھر کو خاص و عام جائیں
گھروں میں جاکے سب خوشیاں منائیں"

جو پلٹے شہر کو سب اہلِ محفل
گزرنا پھاٹکوں میں سے تھا مشکل

ہوا یہ ازدحامِ خلق آکر
کھوے سے تھا کھوا چھلتا برابر

بندھا تھا جانے والوں کا یہ تانتا
کہ گویا ٹڈی دل آیا ہوا تھا

گروہ اندر گروہ آئے وہ پُرشوق
اِدھر دو تین اُدھر دس پانچ ہم ذوق

کسی کی تھی بھری پھولوں سے جھولی
تو کوئی کھیلتا جاتا تھا ہولی

کوئی بولا چلو سنو آئیں مجرا
غضب ہے خوش گلو معشوق رعنا

یہ سنکر بول اٹھا اک شہری
"اہاہا! رنگ لائی اب گلہری

ٹٹولو جیب دیکھو پیسے ہیں کے"
"کہ حلوا کھانیکو منہ چاہئے ہے"

یہ بولا تیسرا "میری بھی سن لو"
"جو سچ پوچھو تو ہو تم خام دونو"

اٹھائے بیسیوں ہم نے زیاں بھی
بہت پیشِ نظر نیرنگیاں ہیں"

تمہاری جیب پُر ہے سیم و زر سے
"چلے تھے یہ ارادہ کر کے گھر سے"

کہ گا آئینگے بلائیں گے بٹیں گے
کسی مہ رُو پہ مر مر کے جئیں گے"

مگر ذی فہم تھے انمیں سے جو مرد
جہاں کا جانتے تھے گرم اور سرد

انہیں گھبرا سے ہوئے تھی فکر ملکی
بہم کرتے تھے بحث و ذکر مُلکی

کوئی بولا بہاؤ الدین حسن کا
جلندی کے مقابل حوصلہ کیا"

سُنو سر آرا رضیہ ہو چکی گو
مگر کس کل یہ بیٹھے اونٹ دیکھو

ملک الطونیہ ہے ایک پُرفن
رضیہ کی اڑا دیگا وہ گردن"

علاؤ الدین ہے صوبیدارِ لاہور
چلیگا چال وہ کوئی بہر طور"

اعز الدین ہے صوبیدار ملتاں
بغاوت کا اٹھائیگا وہ طوفاں"

علاوہ اسکے سیف الدین کو جی
رضیہ کا مخالف ہے قدیمی"

جو پہنچیں انکے کانوں تک یہ خبریں
عجب کیا ہے قیامت پھر مچا دیں"

بہت مخدوش ہے دلی کی حالت
لکھی ہے اور بھی قسمت میں زحمت"

غرض گر آشتی کی واں تھیں باتیں
تو پیکار و جدل کی یاں تھیں گھاتیں

گھروں میں اپنے جب یہ لوگ پہنچے
کئی دن تک بجائے شادیانے

کہیں دیکھو تو مجرے ہو رہے تھے
جہاں عشاق جانیں کھو رہے تھے

کہیں اس زور سے بجتے تھے باجے
کہ سننے والوں کے ہوں کان بہرے

کہیں تھیں بانسری کی لے سے اٹھتی
دلِ مستانہ میں لہریں خوشی کی

کسی شو اٹھ رہا تھا شورِ قلقل
غمِ دل کا تھا گویا ہو رہا قل

کسی کا چنگ اور بربط تھا دمساز
کہیں طاؤس کی دل خوش کن آواز

Taj Tahir Foundation

کہیں دھرپد کی تھیں شیریں الاپیں
کسی جا پڑتی تھیں طبلے پہ تھاپیں
الجھتے تھے کہیں مضراب سے تار
کہیں تھی گھنگھروں کی صاف جھنکار
گئے جب پھبتیاں بھانڈوں کی سننے
تو باچھیں آئیں کانوں تک ہنسی سے
جو رویا کرتے تھے قسمت کے مارے
ہنسی انکو بھی آئی آج بارے
کہیں طبلے ٹھنکتے تھے کہیں ڈھول
کہیں گاتے حسیں تھے غول کے غول
جسے دیکھا وہ تھا مسرور و خوشنود
سرود و رقص ہر جانب تھا موجود
رہا دو دن برابر راگ اور رنگ
مچاتے ہی رہے غل بربط و چنگ
بٹا روزِ سوم انعام و اکرام
رئیسوں اور امیروں کا ہوا نام
ہوئی بخشش بڑھی جاگیر ان کی
خطابوں سے بڑھی توقیر ان کی
جمال الدین کی بھی جاگی قسمت
ملا اسکو بھی اک نایاب خلعت
جو تھی خدمتگذاری کی بھی تمیز
امیری کا خطاب اسکو ملا نیز
ہوئے آزاد چوتھے دن بصد ذوق
غلامی کا گلے میں جنکے تھا طوق
ہوا دل پانچویں دن اور بھی شاد
ہوئیں سب لونڈیاں بیچاری آزاد
چھٹے دن ان کنیزوں کا ہوا عقد
ملا انکو جہیز اور کچھ زر و نقد
مگر تھی روزِ ہفتم کی بھی کیا بات
فقیروں پر ہوئی تقسیم خیرات
نہ تھا کوئی بھی اس دن بھوکا ننگا
کہ محتاجوں کے گھر بہتی تھی گنگا
سنا مطرب کوئی ایسا ترانہ
کہ ہو جائے موافق اب زمانہ
میں ہندی ہوں سنا تو مجھکو دیسی
میں کیا جانوں حجازی یا عراقی
صریرِ کلک سے اب بھر گئے کان
سنا دے مجھ کو اچھی سی کوئی تان
ضرورت اب مجھے آرام کی ہے
سنا دے راگ ایمن کی کوئی لے
مری ہو قلعۂ ایمن میں شاہی
عدو کی بم سے ایمن کے تباہی

نہ شائق راگ کا کیونکر ہو عالم
کہ موجودات ہے نغمہ مجسم

چوتھا باب

محاصرۂ قلعۂ دہلی

پلا دے بادۂ سرجوش ساقی
کہ زائل ہو خمارِ دوش ساقی
حصارِ دل پہ دھاوا ہے الم کا
اسے کر دور دیکر مے کا چھینٹا
ہٹے رنج و الم کی فوج دل سے
تو اٹھے پھر خوشی کی موج دل سے
رضیہ کو خوشی تھی سلطنت کی
خدا کے فضل کی اور عاطفت کی
کنول دل کا مسرت سے کھلا تھا
نہ کچھ جورِ فلک کا اب گلا تھا
جو شہ ترکاں کو پہلے کر لیا قید
تو رکن الدین تھا اسکا دوسرا صید
نہ تھا سختی اٹھانے کا جو یارا
مرا وہ قید میں آفت کا مارا
ہوئی وہ مطمئن جب دشمنوں سے
لگی وہ دادِ عدل و داد دینے
مگر مشہور ہے دنیا دو رنگی
ہمیشہ اسکی وسعت میں ہے تنگی
ابھی گزرا نہ تھا زائد زمانہ
کہ بیچاری ہوئی غم کا نشانہ
سنی الطونیہ نے جب یہ افواہ
رضیہ پھر ہوئی ہے ملک کی شاہ
تو نکلا سر سے دودِ بد دماغی
ہوا افروختہ خاطر وہ باغی
گئے ہر سو خطوط اسنے روانہ
لکھے سب ان میں فقرے باغیانہ
بدایوں کا اعز الدین سالار
وزیرِ مملکت کا بن گیا یار
تو سیف الدین ہانسی کو بلایا
دیئے دم جھانسے اور اسکو ملایا

[illegible]

گئے تینوں باہم پھر سوئے لاہور — کہ ملجائے علاؤ الدین بہر طور
اعزالدین ملتانی جب آیا — اُسے بھی جنگ پر سب نے چڑھایا
سمایا یہ ہر اک کے سر میں سودا — کہ دلّی پر کریں سب مل کے دھاوا
بٹھنڈا ایکطرف سے بے یقیں تھا — کہ وہ در پردہ دیگا ساتھ انکا
نہ تھا یہ بزدلی پر اسکی کچھ دال — فنونِ جنگ میں یہ بھی ہے اک چال
رضیہ کرتی تھی جن پر نوازش — تو انمیں بعض نے کی ان سے سازش
ہوا کی کچھ دنوں مخفی کتابت — پھر اکدن پا کے سب نے دخلِ غفلت
یکایک کردیا دلّی پہ حملہ — مچا عالم میں پھر اک شور و غوغا
رضیہ قلتِ لشکر سے مجبور — ہوئی آخر ہر اک جانب سے محصور
نہ تھی جز قلعہ بندی اور کوئی راہ — ہوئی وہ قلعہ میں داخل بہ اکراہ
مگر وہ قلعہ اک حصنِ حصیں تھا — کہ ثانی جسکا دنیا میں نہیں تھا
یہی تھا یادگارِ پرتھوی راج — جسے دیتے تھے راجہ سیکڑوں باج
درونِ قلعہ تھا اک حصنِ دیگر — جو مضبوطی میں تھا اس سے بھی بڑھکر
یہ سنگ سرخ کی تھی اک عمارت — بہ اسمِ لال کوٹ اسکو تھی شہرت
فصیل اسکی سوا دو میل کی تھی — جو ساری ایک خندق سے گھری تھی
وہ خندق جسکی گہرائی کا سکہ — دلِ قعرِ جہنم پر تھا بیٹھا
پہاڑی اک تھی قدرت نے بنائی — جدارِ قلعہ اس پر تھی اٹھائی
زمیں پر دیکھکر اسکی حصانت — لرزتی زلزلے کی بھی تھی طاقت
لگا بیٹھا تک کچھ ایسی شان کا تھا — فلک جھک جھک کے جسکو دیکھتا تھا
گڑا تھا اس پہ فوجی ایک جھنڈا — پھریرا لاجوردی سبز ڈنڈا
ہلال و نجم کا اس پہ نشاں تھا — پھریرا کیوں کہو وہ آسماں تھا

درِ قلعہ سے ملحق دمدمے بنے تھے — وہاں رکھے تھے عرادے بہت سے
بہت مضبوط اسکے دمدمے تھے — کہ جن پر منجنیق اکثر بنے تھے
منارے دیدبان اور برج اسکے — سراسر سنگ خارا سے بنے تھے
فدا اس کی بناوٹ پر خورنق — جلا سے سدِ اسکندر کا منہ فق
جو ملتی ہفتخواں کو یہ متانت — نہ کچھ کام آتی رستم کی شجاعت
اسی قلعہ میں تھا اک قصرِ مرمر — کہ بانی جسکا تھا ایبک دلاور
قمر کی چاندنی جس پر فدا تھی — سپیدی جسکی صبحِ دلکشا تھی
اِسی کے پاس اِک مسجد بنی تھی — وہ مسجد تھی کہ ہیرے کی کنی تھی
صنم خانہ پتھورا کا تھا اِس جا — وہی کھُد کر خدا کا گھر بنا تھا
در و سقف و جدار اسکے منقش — کہ جن پر روضۂ رضوان بھی تھا غش
وہ مسجد تھی کہ اک مہرِ درخشاں — نہ ہوتا تھا کبھی شب کا گزر واں
صدا گھڑیال کی ہوتی نہ معیار — نمازِ شام ادا ہوتی تھی دشوار
کہیں آیاتِ قرآنی کھُدی تھیں — جو خطِ نسخ میں عمدہ لکھی تھیں
کسی جا خوشنما تھے بیل بوٹے — دلِ باغِ ارم بھی جن سے ٹوٹے
نہ گلکاری کی کھلتی تھی حقیقت — لئے نرگس کھڑی تھی چشمِ حیرت
گلِ تصویر میں آتی نہیں بو — مگر وہ گل تھے رشکِ نافِ آہو
ہمیں کیا وصف کی اسکے خبر ہے — اسی کو علم ہے جسکا یہ گھر ہے
رضیہ قصر میں رکھتی سکونت — تو مسجد میں کیا کرتی عبادت
چڑھائی دشمنوں نے اسپہ کی تھی — دُعا اللہ سے یوں مانگتی تھی
"خداوندا تری بندی گنہگار — رضیہ بےبس و مجبور و ناچار
گدائی کی نہیں رکھتی لیاقت — مگر تو نے اِسے بخشی حکومت

زنِ عاجز کو زیبا تخت کب ہے
بلی شاہی گئی ساری مصیبت
رہی ورنہ مادرِ دلسوز پر بھی
"شرف بخشا یہ مُشتِ استخواں کو
خداوندا میں دیتی ہوں دہائی
وہ اپنے زورِ بازو پر ہے مغرور
عطیہ ہے ترا یہ تختِ شاہی
غضب کا پھر بلا دیر دار چلجائے
مخالف ہیں قوی اور میں ہوں کمزور
مرے سر پر کرم کا ہاتھ رکھدے
الٰہی کھول دے رحمت کے ابواب
دُعا سے ہو رہی تھی دلکو تسکیں
رضیہ نے جو پیچھے مُڑ کے دیکھا
جھکا مجرے کو وہ جاسوس پہلے
کہ اَے اکلیل فرقِ اہلِ عالم"
سُنا خادم نے ہے اِس دم یہ مژدہ
وفا پیشہ ہے وہ سردار خوشخو
رضیہ کا ارادہ تھا کہ فی الفور
سپہ جو ہے معینِ شہر یاری
کہ نوابِ اودھ کو دے مدد وہ
نہ باہر قلعہ سے لشکر تھا آیا

کرم تیرا اگر یہ میرے رب ہے"
ہوئے پامال سب اہلِ عداوت"
ظفر حاصل ہوئی فیروز پر بھی
کہ قید اسنے کیا پیلِ دماں کو"
رکہ پھر مجھ پر عدو نے کی چڑھائی"
تری بخشش پہ نازاں ہوں میں رنجور"
تباہی سے رہے محفوظ الٰہی"
بلا آئی ہوئی یہ سر سے ٹل جائے"
وہ موذی مار ہیں بے ضرر موذ"
خداوندا تو میری بات رکھ لے
عدو ناکام ہوں میں ہوں ظفر یاب"
رکہ آئی پیچھے سے آواز "آمیں"
کھڑا جاسوسِ شاہی ایک پایا
خبر پھر یہ بیاں کی بادشہ سے
عدو ناشاد ہوں اور تو ہو خرّم"
کمک کو ہے نصیر آیا اودھ کا"
عجب کیا ہے ہزیمت دے عدو کو"
نکالے جنگ کا کوئی نیا طور
کرے فرمان انکے نام جاری
کرے غارت عدو کی جد وکد وہ
کہ ناگہ یہ خبر جاسوس لایا

نصیر آیا تھا النصرت کو بیچارا
بمشکل تھا ابھی گنگا سے اُترا
یہ سنتے ہی پڑی قلعے میں ہلچل
رہی باقی وہ گلی قلعہ بندی
عدو نے مارا پھر شبخون اِک شب
کمندیں ڈالکر چڑھنے ہی کو تھا
فصیلِ قلعہ پر دیکھا جو ریلا
غرض یونہی بسر ہوتے تھے اوقات
کہ اِکدن بولی جھدی سے رضیہ
وکرو وہ داؤں دشمن جس سے ہٹ جائے
کہا جھدی نے اَے سلطانِ عالم"
زوال اس بادشاہی میں نہ آئے
اگر خالی وفا سے نکلے یہ کام
ابھی قلعے سے نکلیں لڑکے مرجائیں
"مگر دشمن کی کثرت دیکھیئے گا"
"کمر بستہ عداوت پر جہاں ہے
اُدھر کثرت ادھر قلّت غضب ہے
میں اس پر بھی ہوں اپنی فوج سے شاد
کمی کے باوجود ایسی لڑی ہے
نہیں ہمّت میں وہ ہم سے زیادہ
رضیہ نے کہا سمجھی میں مطلب

گیا خود بے مدد لیکن وہ مارا
کہ رستہ دشمنوں نے اُسکا کاٹا
مسرّت ہوگئی غم سے مبدّل
وہی بیچارگی و مستمندی
نکالا قلعہ پر چڑھ جانیکا ڈھب
کہ جھدی نے وہ سب منصوبہ بیٹھا
تو نوکِ نیزہ سے اُسکو دھکیلا
جسے موقع ملا کرنے لگا گھات
طویل اب ہوتا جاتا ہے قضیہ"
جدال و جنگ کا تختہ الٹ جائے"
خدا رکھے تجھے شادان و خرّم"
عدو تیرا جو ہو وہ منہ کی کھائے"
"تو جاں دینے کو حاضر ہیں یہ خدام"
وفاداری میں اپنا نام کرجائیں"
نظر اِس کی سپہ پر کیجئے گا"
یہ لشکر ہے کہ اِک ریگِ رواں ہے"
زیادہ کیا کہوں ترکِ ادب ہے"
وفاداری ہے جس کی قابلِ داد"
کہ دشمن کے یہاں بھگدڑ پڑی ہے"
"مگر کثرت سے دشمن کی ہے کھٹکا"
مگر کچھ فکر کرنی چاہئے اب"

Taj Tahir Foundation

رہینگے اسطرح محصور کب تک
وصالِ فتح سے مہجور کب تک

اگر دی ہے خدا نے عقل و تدبیر
تو ہم کر سکتے ہیں دشمن کو تسخیر

عدو کی فوج میں پڑ جائے گر پھوٹ
تو اِس کثرت کی جائیگی کمر ٹوٹ

مداد و خامہ و کاغذ منگا کر
رضیہ نے لکھا اِک خط مزوّر

پھر اک جاسوس کو دیکر وہ تحریر
کہا اسکو کہ اب تو کر نہ تاخیر

بدل کر بھیس تو فوجِ عدو کا
علاؤ الدّین کے خیمے تک پہونچ جا

اُسے خط دیکے یوں کرنا تو اظہار
کہ تھا رستے میں افتادہ یہ سرکار!

نہ کس کے نام ہے یہ جانتا ہوں
نہ لکھنے والے کو پہچانتا ہوں

ابھی جب پہرہ پر بندہ کھڑا تھا
تو میرے پاؤں کے نیچے یہ آیا

کسی قاصد کی غفلت سے گرا ہے
نہیں معلوم اس میں کیا لکھا ہے

لفافہ پر لکھا ہو گر کوئی نام
تو اسکو دیکے خط ہیں پاؤں انعام

غرض جاسوس کو سمجھا بجھا کر
رضیہ نے کیا قلعے سے باہر

بدل کر بھیس وہ جاسوسِ ہشیار
چلا سوئے خیامِ فوجِ غدّار

جنیدی اور علاؤ الدّینِ لاہور
طریقِ حملہ پہ تھے کر رہے غور

کہ اتنے میں یہ جاسوس اندر آیا
خطِ مکتوم اپنے ساتھ لایا

جو چٹّی تھی رضیّہ نے پڑھائی
وہی دو نو کو اس نے کہ سنائی

علاؤ الدّین نے خط کو جو دیکھا
تو سُلطانہ کا نام اس پر لکھا تھا

پڑھا جب ذیل کا سب اُسنے مضموں
وہ غیظ آیا کہ آنکھیں ہو گئیں خوں

بنامِ ایزدِ متعالِ غفّار
خداوندِ جہاں رحمٰن و ستّار

کوئی خالق سوا اسکے نہیں ہے
وہی معبودِ افلاک و زمیں ہے

اِسی کو سب ثنا و برتری ہے
خطا و عیب سے بالکل بری ہے

ازاں پس نعتِ احمد ہے سزاوار
کہ سارے انبیا کے ہیں وہ سردار

انہیں سے ہمنے پہچانا خدا کو
بہشت و دوزخ و روزِ جزا کو

ہوا معلوم انہیں سے ہمکو قرآں
جو مابینِ حق و باطل ہے فرقاں

ملی اسلام سی نعمت انہیں سے
کھلا دروازۂ جنّت انہیں سے

وہ بحرِ نعمتِ خالق کے مجرے
وہ ناموسِ الٰہی کے شناسا

حقیقی بانیِ تہذیبِ دُنیا
خدائی ضامنِ تادیبِ دُنیا

درود ان پر اور انکی آل پر بھی
اور اصحابِ نکو اعمال پر بھی

خدا کا حکم ہم سب فرض جانیں
سنیں حکمِ اولی الامر اور مانیں

اولی الامرِ جو سُلطانِ رضیّہ
فلک با ایں کہن سالی ندیدہ

شہنشاہِ کریم و عدل گستر
کہ ہے کسرے ابھی جسکا ایک چاکر

جہاں قدر و جہاندار و جہانگیر
فلاطوں عقل و جالینوس تدبیر

وہ باغی جو کرے اس سے بغاوت
نہیں مقبول ہے پیشِ شریعت

اعز الدّین ہے اسکا جو خادم
بہت کرتوت پر اپنے ہے نادم

شہنشہ دے اگر اسکو معافی
تو گستاخی کی وہ کر دے تلافی

شریکِ باغیاں دل سے نہ تھا وہ
بمجبوری عدو سے مل گیا وُہ

ملک التونیہ نے دیکے دھوکا
شہنشہ کی معیّت سے ہے روکا

جو ہیں ماتحت اِس خادم کے دستے
قدمبوسیِ شہ کو ہیں ترستے

جنیدی ہے جو اِک ناکس کمینہ
اسے ناحق ہے اس خادم سے کینہ

علاوہ اسکے ہیں دو ایک اوباش
جنہیں ہے شہ کے اِس خادم سے پرخاش

غلامِ خاصِ شہ اس کو سمجھ کر
عدو رکھتے ہیں اِس سے بغض اکثر

Taj Tahir Foundation

جو فرمائے شہِ عالی مقام اب
تو لے وہ دشمنوں سے انتقام اب

جدھر ہو جنبشِ ابروئے شاہی
اسی جانب چلے تیغِ تباہی

عقیدت کیش کی یہ التجا ہے
گواہ اس قول کا اسکے خدا ہے

نہیں دل سے شریکِ باغیاں وہ
کہاں دشمن کی فوجیں اور کہاں وہ!

اگر ملتان سے نکلے فوجِ جرار
تو خادم ہو شریکِ رزم و پیکار

بظاہر فوجِ شاہی سے لڑیگا
کمیں گہ سے عدو کی جان لیگا

مگر یہ ہے قرینِ رائے صائب
کہ حملہ ہے بوقتِ شب مناسب

یہ شاہی فوج جب حملہ کریگی
پڑے گی سامنے فوجِ جنیدی

وہ غافل ہونگے سب نشہ میں سرشار
گریگی فوج شاہی ان پہ یکبار

علاؤ الدیں کریگا انکی امداد
تو یہ خادم کریگا اسکو برباد

انہی دونوں کی ہستی ہے مٹانی
کہ یہ دونوں لعیں ہیں شر کے بانی

دعا پر ختم ہوتا ہے یہ نامہ
رہے سلطاں الی یوم القیامہ

خدا سلطاں کو بخشے کامیابی
نصیبِ دشمناں قہر و خرابی

گزر ہو خیر خواہوں کی بہ آرام
صلے میں پائیں انعام اور اکرام

جنیدی کو یہ مضموں جب سنایا
بہت ہی اسنے پیچ و تاب کھایا

کہا "اللہ شر سے اب بچائے
ہوئے جاتے ہیں اپنے بھی پرائے"

عجب چالاک ہے یہ مردِ پرفن
بظاہر دوست ہے در پردہ دشمن"

غرض دونوں کے تن میں لگ گئی آگ
دہن سے دونوں کے بہنے لگا جھاگ

ارادہ تھا کہ دونوں ساتھ جائیں
اعزّالدین کے ٹکڑے اڑائیں

مگر بنتی نہ تھی کچھ کرتے دھرتے
کہ واں اس نام کے سردار دو تھے

جنیدی نے کہا ہے ظنِ غالب
"کہ ہو سالارِ اعزّالدین کا نائب"

"علاؤ الدیں نے پوچھا کیا سبب ہے"
بدایونی ہو باغی یہ غضب ہے!

کہا "کچھ دال میں ہے کالا کالا
کہ ہے سب سے خیال اسکا نرالا

"کسی کی بات خاطر میں نہ لانا
الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا"

"یہ عادت اسکی فطرت میں ہے داخل
بہت ہے صلح پر جی اس کا مائل"

"کہا کرتا ہے وہ نامرد پاجی
کہ ان حملوں سے اب اکتا گیا جی"

"بظاہر صلح کی دیکھی نہ تدبیر
تو مخفی بھیجدی اسنے یہ تحریر"

علاؤ الدیں بولا میرے نزدیک
"بدایونی ہو کاتب یہ نہیں ٹھیک"

"یہ سو لبسو ہے صوبیدارِ ملتاں
کہ سب سے لاگ رکھتا ہے یہ شیطاں"

طمع لاہور کی گھیرے ہوئے ہے
اسی سے آنکھ وہ پھیرے ہوئے ہے

"یہی المختصر چلتا ہوا ہے
حسد کی آگ میں یہ بھن رہا ہے"

ابھی دو چار دن کی بات ہے جب
دکھایا جنگ میں اسنے یہ کرتب"

"جری دستہ تھا شب کو ایک تیار
کہ چڑھ جائے وہ قلعے پر یہ یکبار"

"اندھیرے میں تھے چلتے سب دبے پاؤں
کہ محصورین پر انکا چلے داؤں"

"مگر حضرت نے پھنکوائے دو سہ بان
ہوئے آگاہ قلعے کے نگہبان"

"اگر میں دوڑ کر اس جا نہ جاتا
نہ اپنی فوج کو واپس بلاتا"

"تو عزت پر مری دھبا لگا تھا
مرا یہ منتخب دستہ مٹا تھا"

"بہت مشہور ہے یہ اس کی بابت
کہ کرتا ہے عدو سے یہ کتابت"

جنیدی نے کہا "اس کو بلاؤ
عبارت نامہ کی پڑھ کر سناؤ"

"جو کی ہوگی اسی نے یہ بغاوت
عیاں بشرے سے ہوگی دل کی حالت"

شگونِ دل سے بہتر ہے کریں کام
"کہ ہو بد کام کا بھی نیک انجام"

اعزّالدین ملتانی جو آیا
جنیدی نے اسے اٹھکر بٹھایا

Taj Tahir Foundation

علاؤالدین نے جب اسکو دیا خط
اعزالدین نے لے کر پڑھا خط

لگا غصے سے اسکا کھولنے خون
کہا ہے اسکا لکھنے والا ملعون

”تمہیں مجھ سے ہے سچ مچ لاگ حضرت
مجھے جھوٹی لگاتے ہو جو تہمت

اگر شہ کی حمایت ہوتی منظور
تو مجھ کو کون کر سکتا تھا مجبور

تمہیں انصاف سے دل میں کرو غور
نہیں کوئی اعزالدین یاں اور“

خموشی کا اسے کر کے اشارا
جنیدی ایک نوکر کو پکارا

کہا اس سے کہ جلدی دوڑتا جا
بدایونی کو اپنے ساتھ لے آ

”یہ کہنا کام ہی ایسا ہے درپیش
کہ حاضر ہو نہیں سکتا میں دل ریش

تامل آپ چلنے میں نہ فرمائیں
جہاں تک جلد ممکن ہو چلیں آئیں“

سپہ دار بدایونی جب آیا
تو خط اس کو رضیہ کا دکھایا

اسے بھی بڑھ کے از حد طیش آیا
غضب سے اس کا چہرہ تمتمایا

کہا ”ہو ساز باز اسکا عدو سے
نہ جسکو کام ہو کچھ آبرو سے

دغا کرنا کمینوں کی ہے خصلت
کمینہ پن سے بہتر ہے ہلاکت

بھلا مجھ میں خصال بد کہاں ہیں؟
حسد کی ساری کارستانیاں ہیں“

اعزالدین ابھی یہ کہہ رہا تھا
کہ سیف الدین بھی آپہنچا اس جا

علاؤالدین کو غصے میں پا کر
جنیدی سے وہ بولا مسکرا کر

”ٹھہرے بیٹھے ہیں کیوں سرکار عالی؟
گیا شائد عدو پر وار خالی؟“

جنیدی سے مگر سب قصہ سنکر
ہوئی اسکی طبیعت بھی مکدر

کہا ”دو تو نہیں یہ مانتے گر
فرشتے لکھ گئے ہونگے یہ آکر“

اعزالدین اٹھا غصے میں آکر
کہ سیف الدین پہ ہو حملہ آور

جنیدی بیچ میں آکر یہ بولا
”بھلا آپس میں لڑنے کا مزا کیا؟

نہیں اچھا کہ قیل و قال بڑھ جائے
بہم نوبت جدال و قتل کی آئے“

”گھٹے گر ہم جدال باہمی میں
عدو کی پھر تو پانچوں ہونگی گھی میں“

”بہت ممکن ہے سیف الدین بھائی
عدو ہی نے یہ آفت ہو اٹھائی“

عدو کا ہے یہ چکمہ ہے مری رائے
کہ باہم دوستوں میں پھوٹ پڑ جائے“

خدارا تم نہ چھوڑو عقل کی راہ
نہ توڑو رشتۂ الفت کو للہ“

جنیدی نے غرض کی تو سمجھو
کہ نار غیظ افسردہ کہیں ہو

ہوئے اس دم جدا گو سارے خوش خوش
مگر ثابت ہوا خط دوستی کش

بھرم ہر ایک کا اس خط نے کھویا
شجر کینے کا باغ دل میں بویا

کشیدہ خاطر اک تھا دوسرے سے
نمایاں برہمی تھی اک سرے سے

نہ دل سے کوئی بھی تھا کام کرتا
ہر اک کے کام پر تھا نام دھرتا

غرض اس خط نے ایسی پھوٹ ڈالی
کہ خوش حالی ہوئی آشفتہ حالی

رضیہ کو ہوا معلوم جس دم
پڑی ہے دشمنوں میں پھوٹ باہم

تو اس نے کر دئے احکام جاری
کہ دشمن پر ہو حملے کی تیاری

جو سیف الدین نے حکم اسطرح پایا
تو تیاری پہ جی اس نے لگایا

نہ اسکو سوجھتی تھیں اور باتیں
گزرتی تھیں اسی دھندے میں راتیں

بخوبی فوج کی پہلے مرتب
دئے پھر بانٹ اسنے مورچے سب

رضیہ سے کہا ”اے شاہ شاہاں
ہوا تیار سب حملے کا ساماں“

کہا اسنے کہ ”اے سردار دانا
مظفر ہو کے منہ اپنا دکھانا“

یہ حملہ آخری ہے دیکھو ہشیار
نہ کرنا کوئی کوتاہی خبردار

نہ باز آنا خدارا جد و کد سے
خدا تمکو بچائے چشم بد سے“

مفید جنگ کی ان سبکو پھر پند
ہوئے وہ وعظ شاہی سنکے خورسند

چلے سب اسلحہ سے ہو کے تیار
مقابل دشمنوں کے آئے اک بار

ہر اک افسر تھا فوج اپنی سنبھالے
کوئی آگے چلا اور کوئی پیچھے

کھڑا تھا کوئی جم کر میمنہ پر
اڑا تھا کوئی تھم کر میسرہ پر

جواں رعنا تھا سیف الدین چالاک
سراسر آہنی تھی جسکی پوشاک

وہ گرزِ گاؤ سر آگے دھرا تھا
کہ ثورِ ارض جس سے کانپتا تھا

کمند ابریشمی تھی اک لٹکتی
گلوئے چرخ کی تھی جو کہ پھانسی

رکھا تھا سر پہ اس کے خودِ آہن
تو سینے کی حفاظت کو تھا جوشن

وہ اسکے دوش پر قوسِ کیانی
کمر کی زیب تیغِ اصفہانی

وہ اسکے زیرِ راں اسپِ عرب تھا
جو ہمزادِ ہوائے پر غضب تھا

پڑی تھی پاکھری پر شیر کی کھال
بنا وہ ہو بہو ضیغم کی تمثال

جو دستے بھیجے کچھ قلعے سے باہر
تو کچھ دستے کئے در پر مقرر

حریف اسکے مقابل لے کے لشکر
کھڑا تھا وہ بھی بنکر سراسر

اٹھیں جنگی دماموں سے صدائیں
بھنکی قرنا چلیں خونی ہوائیں

جونہی لیں اپنی جانبازوں نے تیغیں
ہوئی جنبش سی دو لشکروں میں

چلائے قلعہ والوں نے اگر بان
تو پھینکے دوسروں نے تیر پر آن

ہوئی واں اسطرح تیروں کی بھرمار
کہ جیسے آتی تھی پانی کی بوچھار

مبارز ایک دستہ تھا دلاور
کہ جسکا سیف دیں کوچی تھا افسر

چلا تا تیر وہ آگے بڑھ آیا
کہ برق و باد نے طوفاں اٹھایا

عدو کی جان لی تیروں نے دم میں
کیا یلغار نے مہدی کو غم میں

وہ اپنے ہمرکاب اک فوج لیکر
بگولے کی طرح آیا برابر

رکھا بالائے طاق اپنی کماں کو
ہٹا با خنجر و گرز و سناں کو

گھسا وہ لے کے یوں بجلی کی تلوار
کہ برسا خون کا بادل دھواں دھار

پڑی گھمسان کی ایسی لڑائی
ہزاروں کی ہوئی دم میں صفائی

جو تھے اوزار اپنی اپنی جا پر
ادا کرتے تھے فرض اپنا برابر

کہیں تیرِ الم پیک قضا تھے
کہیں گرز و تبر قاصد بلا کے

خدنگوں سے کہیں دل میں خلش تھی
کہیں سینے سے نیزے کی کشش تھی

کہیں الجھے بہم برچھے تھے پراں
کہیں تلواریں تھیں دست و گریباں

کہیں رفتار تھی تیغ و تبر کی
کہیں سینہ سپر تھی ڈھال سر کی

زبانِ تیغ قینچی سی تھی چلتی
کترتی دامنِ ہستی تھی چلتی

کہیں چلتی تھی وہ مانندِ سیلاب
کہیں چکر میں تھی مانندِ گرداب

چمک کر برق کے مانند جاتی
تو دم میں خرمنِ ہستی جلاتی

جدھر جاتی دکھاتی اپنے جوہر
قدم پر ہوتے سر یکسر نچھاور

پڑی وہ ہر طرف سے اسطرح ٹوٹ
کہ آخر دل سپر کا بھی گیا چھوٹ

بسانِ اژدہا تھی اسکی پھنکار
منوں سے خون کے تھی ارض گلزار

وہ تیغ ان کے گلے کا بن گئی ہار
کہ ڈھالیں پھول اپنے سب گئیں ہار

عجب تلوار کے ڈورے تھے بانکے
کہ جن سے ٹوٹتے زخموں کے ٹانکے

جو میداں میں بہادر رن چلے تھے
دمِ شمشیر پر رکھتے گلے تھے

دلیری تھی غضب مہدی علی کی
نہ پہونچا کوئی اسکی گرد کو بھی

جنیدی یا اعز الدینِ ملتاں
نہ تھا اس جیسا کوئی مردِ میداں

لڑے کوچی بہت جی چھوڑ کر گو
مگر مارے گئے بیچارے دونو

وہ سیف الدین کی تیغِ تیز کا کاٹ
کہ اترے جس سے صدہا موت کے گھاٹ

مگر پھر بھی علاؤ الدینِ لاہور
کٹے دیتا تھا اسکے طور بے طور

Taj Tahir Foundation

پڑے پس پا کئے فوجِ عدو کے ۔ بہے میدان میں دریا لہو کے
ہوا جب لشکرِ دشمن کا ریلا ۔ تو اسکو دُور میداں میں دھکیلا
کیا اسطرح خونریزی میں اسراف ۔ کہ دم بھر میں ہوئیں ساری صفیں صاف
اعزالدّین دو تو چپ کھڑے تھے ۔ تماشا دور ہی سے دیکھتے تھے
شریکِ رزم کیوں ہوتے یہ دونو ۔ کہ پہلے سے مکدّر تھے یہ دونو
الگ انکی تھیں فوجیں رزم گہ سے ۔ تعرّض تھا نہ مطلق فوجِ شہ سے
علاؤالدین نے دیکھا جو یہ حال ۔ تو اُسنے بھی عناں گھوڑے کی دی ڈال
لیا گھوڑے کا منہ میدان سے موڑ ۔ لگائی ایڑ اور سرپٹ دیا چھوڑ
جنیدی دیکھ کر یہ حال سوچا ۔ بھلا اب ٹھیرنے سے فائدہ کیا؟
نہ دیکھا اسنے پیچھا اور آگا ۔ اٹھا کر سر پہ اپنے پاؤں بھاگا
جو یہ بھاگے تو فوجی انکے سارے ۔ شکستہ دل ہوئے میدان ہارے
بھگا کر دشمنوں کی سب کی فوج ۔ رضیّہ کی پھری فوجِ ظفر موج
مطیعِ حکمِ شاہنشاہِ دوراں ۔ ہوا سردار اعزالدین ملتاں
ملا لاہور کا نیز اس کو صوبہ ۔ مقدّر کا ستارہ اس کے چمکا
کئے تقسیم شہ نے پھر مراتب ۔ دیئے حسبِ لیاقت سب مناصب
وزارت پر ہوا مامور جہدی ۔ نیابت سیف دیں نے فوج کی لی
ہوا اب میرِ میراں وہ سپاہی ۔ جو تھا داروغۂ اصطبل شاہی
بغل میں شہ کی دیکر ہاتھ ہر بار ۔ کیا کرتا تھا وہ گھوڑے پہ اسوار
جو جاگے اسطرح یاقوت کے بھاگ ۔ عدو مارے حسد کے ہو گئے آگ
اٹھ اے مطرب کہ وہ جانِ جہاں آج ۔ بہت مسرور ہے اور مہرباں آج
سنا سچے سُروں میں مجھ کو دیپک ۔ بجا طنبور و بربط اور طوطک

جلے دل حاسدوں کا آپ سے آپ ۔ بجے چنگ اور طبلے پہ پڑے تھاپ

پانچواں باب

سلطانہ رضیّہ اور یاقوت

اِدھر بھی گر تری ساقی نظر ہو ۔ تو کیوں میخوار زیر اور بدر ہو
پلا دے ساقیا جلدی پلا دے ۔ وہ مے جو شیشۂ دل کو جِلا دے
بدی بدخواہ کی دِل سے بھلاؤں ۔ فسانہ اک مزے کا میں سناؤں
جو یاں ابنائے دنیائے دنی ہیں ۔ محبّت پاک دِکھلادوں انہیں میں
وصالِ جسم و روح اک دل لگی ہے ۔ محبّت ہی تو اصلِ زندگی ہے
نہیں معدوم الفت پاک و طاہر ۔ مثالِ شمع و پروانہ ہے ظاہر
زمیں رہتی ہے سورج پر تصدق ۔ اسے ہے پاک الفت سے تعلق
جو یہ گرد اس کے چکّر کاٹتی ہے ۔ بلائیں اس کے سر کی لے رہی ہے
چھپایا مہر نے روئے محبّت ۔ تو اس پر چھا گئی کیا شامِ فرقت
افق چاک گریبانِ زمیں ہے ۔ شفق خونابۂ چشمِ حزیں ہے
ستارے یہ نہیں شب کو نمایاں ۔ زمیں کے حال پر گردوں ہے خنداں
مِرے ساقی پلا بھر کر صراحی ۔ دکھاؤں سیرِ خلوت گاہِ شاہی
وہ قطعہ بھی تھا اک حصّہ جناں کا ۔ بنا جس پر رضیّہ کا مکاں تھا
سجاوٹ اس مکاں کی کیا بیاں ہو ۔ جو رہنے کا سلاطیں کے مکاں ہو
خصوصاً شاہ بھی وہ حور خصلت ۔ کہ ہو نازک خیالی جس کی فطرت

وسط میں قصر کے تھا ایک کمرہ
ہرا اک جھاڑ اسکا جنت کا شجر تھا

فروزاں اسطرح تھی شمع کافور
کہ تھا جس سے وہ ایواں بقعۂ نور

شعاعیں اس کی ایسی نور پرور
کہ ماہ و مہر تھے پروانے جن پر

وہ غالیچے وہ پردے وہ اوچھے
کہ گل بوٹوں پہ جنکے باغ صدقے

مسہری تھی بچھی اک قاعدے سے
کہ جس کو دیکھتے ہی نیند آئے

مہیّا تھے وہاں راحت کے ساماں
مے و مینا و جام و عطر و ریحاں

غرض کمرہ تھا وہ اک قصرِ جنت
جہاں تھی جلوہ گر وہ حور طلعت

قمیصِ ارغوانی زیب تن تھی
نمایاں جس سے جوبن کی پھبن تھی

درِ فردوس تھا چاک گریباں
بٹن کے کاج تھے چشمِ حسیناں

نہیں بے وجہ غنچہ مسکرانا
یہی اس گل کے جامے کا بٹن تھا

وہ صدری اس پہ مخمل کی مرکش
مرصّع پر تکلف اور منقش

نہ صدری کی وہ مخمل تھی زر اندود
چھپے تھے کان زر میں دُرِ مقصود

دوشالہ دوش پر باریک اور نرم
نہایت خوشنما پُرکار اور گرم

وہ شلوار اسکی نیچے گلبدن کی
کترنخبری جس کی نقلِ عام کرتی

نہ کیوں یہ سادہ پوشاک اس پہ کھلتی
عطا کی تھی خدا نے جامہ زیبی

عجب کچھ شان اور شوکت تھی اسکی
غضب کی حشمت اور صولت تھی اسکی

سخن کا ڈھنگ تھا اسکے نرالا
کہ منہ سے رولتی موتی تھی گویا

جو گویا ہو تو پلٹے عمرِ رفتہ
تبسّم سے ہو غنچہ دل گرفتہ

دیا تھا چہرے کو قدرت نے وہ رنگ
کہ گل ہوتے تھے صورت دیکھ کر دنگ

نہ کیونکر جان دیتے اس پہ انساں
فدا تھیں چاند سی صورت پہ پریاں

کمر تک اسکی زلفیں جھومتی تھیں
کبھی سینہ کبھی منہ چومتی تھیں

نثارِ زلف تھیں رخ کی شعاعیں
بلا کی لیتی تھیں گویا بلائیں

یہ گیسو مُو بمُو کہتے تھے اس کے
دلِ عاشق کی مشکیں باندھ لینگے

جو مسلم دیکھ لے چاہِ زنخداں
تو کافر ہو ڈبو کر دین و ایماں

تصور میں جو اسکی چشم مست آئے
زمانہ بے پئے مدہوش ہو جائے

جو آنکھیں اسکی موتی چور سی تھیں
تو انکی پتلیاں بھی حور سی تھیں

نظر بھر کر جو دیکھیں اسکی آنکھیں
تو شرما کر ستارے ڈوب جائیں

رنگ سے چشمِ نرگس آبدیدہ
تبسّم سے قبائے گل دریدہ

نہ تھا دیدار اس چشمِ سیہ کا
اٹھا تھا چہرۂ لیلیٰ سے پردا

غضب کے تیز تھے مژگاں کے نشتر
کھٹکتے تھے دلوں میں جو اتر کر

جو دیکھے اسکے ابرو کی کھچاوٹ
تو بھولے تیغ ہندی اپنی بناوٹ

جو دیکھے خضر اسکے لب قضارا
تو سمجھے آبِ حیواں کا کنارا

دُرِ دنداں جو اسکے دیکھ پائے
دُرِ شہوار کے ہوں دانت کھٹے

بنا گوش اسکی نوکِ برگِ سنبل
پکڑنا کان جسکے سامنے گل

جو حلیہ آتشیں رخ کا بیاں ہو
دہن ہو کوئلہ بریاں زباں ہو

نہ تھے رخسار وہ دو آئینے تھے
کہ نقشے باغ کے جن میں کھنچے تھے

وہ سیمیں ساعد اسکے مثلِ شمشیر
مہیّا تھے کریں عالم کو تسخیر

ہتھیلی اسکی تھی گر بدرِ امید
تو ناخن سب کے سب مثلِ مہِ عید

وہ قامت نخلِ طوبےٰ کا تھا ہمسر
خرامِ ناز سے برپا تھا محشر

کفِ افسوس اب ملتی ہے میزاں
کہ پھولوں میں تُلا کرتی تھی سلطاں

ضیائے شمع اس سے چھپتی تھی
یہ رخ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی

وہ مہ تھی خلوت آرا خوابگہ میں
خواصیں مثلِ انجم دائیں بائیں

Tahir Foundation

وہ بزمِ حسن کی پُر نور تھی شمع
کہ جس کے گرد پروانے تھے سب جمع

گھرا ذرّوں میں تھا خورشید پُر نور
چکوروں میں قمر پتلوں میں تھی حور

گھڑی آرام کرنے کی جب آئی
خواصیں سب اٹھیں لیکر جمائی

رضیہ بھی گئی بستر پہ سونے
تو چھیڑا قصہ اک افسانہ گو نے

حکایتِ شیخ و افغان

کہا اے تاجدارِ نیک فرماں
کسی قریہ میں رہتا تھا اِک افغاں

جوانمردی میں اپنی تھا جو وہ طاق
تو خود بینی میں بھی مشہورِ آفاق

کھڑی مونچھیں تھیں یا بیٹھے تھے بچھو
چڑھی ڈاڑھی تھی یا کوّے کے بازو

وہ اپنی مونچھوں کو دیتا تھا جب تاؤ
تو تیور کہتے تھے آگے سے ہٹ جاؤ

قضا کار ایک دِن جاتا تھا افغاں
کسی جا سیر کی خاطر خراماں

کہ شیخ اِک سامنے سے اسکے آیا
بل اسنے بھی تھا مونچھوں پر چڑھایا

نہ تھی افغان کو کچھ شیخ سے لاگ
مگر مونچھیں جو دیکھیں ہو گیا آگ

ڈپٹ کر شیخ کو افغاں یہ بولا
"بھلا کیوں تمنے مونچھوں کو چڑھایا؟

تم اس چکّی کی چڑیا کے پر اڑواؤ
وگرنہ جنگ پر آمادہ ہو جاؤ"

نہ تھا گو شیخ افغاں سا توانا
مگر بے شبہ اس سے وہ تھا دانا

کہا ڈرتا نہیں مرنے سے میں تو
یہ بندر بھبکیاں تم اور کو دو

"مگر ہم دونوں کے ہیں بال بچے
لڑے ہم تم تو یہ آوارہ ہونگے

بہت ممکن ہے ہم تم دونوں مر جائیں
اور اپنی بیویوں کو بیوہ کر جائیں

مبادا انکی بن جائے بُری گت
ہمارے بعد آئے ان پر آفت

کریں پہلے ہم اِنکا پاک قصہ
تو پھر لیں جنگ میں بے کھٹکے حصہ"

قضیہ مونچھ کا ہو تیغ سے حل
جو بچ جائے وہی دے مونچھ کو بل"

مقرر وقت دو گھنٹوں کا کرکے
سدھارے دونوں گھر کو اپنے اپنے

میاں افغاں نے کھینچی تیغ سن سے
کیا سر کو جدا بی بی کے تن سے

قضیہ کر دیا اِک دم میں فیصل
اسے مونچھوں کی دیوی پر دیا بل

جو باقی بچ رہے تھے کنبے والے
انہیں بھی کر دیا حق کے حوالے

غرض کنبے کو کرکے قتل بیکار
سوئے شیخ آیا لیکے ننگی تلوار

کیا نعرہ کہ "آؤ شیخ صاحب
بھلا دیکھیں ہے کس کی مونچھ غالب"

مگر واں شیخ کے گھر جمگھٹا تھا
کھچا کھچ صحن امیروں سے بھرا تھا

جو ہاتھ افغاں کے دیکھے شیخ نے لال
تو سمجھا وہ کہ میری چل گئی چال

اٹھا اور کی ادا افغاں کی تعظیم
بٹھایا اسکو مسند پر بہ تکریم

کیا پھر ساری مجلس کو مخاطب
سنایا انکو اسنے ماجرا سب

کہا افغاں سے "پھر اے خانصاحب!
نہیں مونچھوں کے بل پر لڑنا واجب"

یہ کہکر اپنی مونچھوں کو جھکایا
چڑھایا تھا جو بل اسکو مٹایا

ابھی تو شیخ جی کی ہے پڑی مونچھ
مبارک آپ کو ہو اب کھڑی مونچھ"

میں ہارا آپ جیتے اب نہ گھبرائیں
مظفر اپنے گھر تشریف لیجائیں"

شجاعت دل سے رکھتی ہے تعلق
کروں مونچھوں پہ کیوں اسکو تصدق

نہیں مالک ہوں میں بی بی کی جاں کا
خدا مالک ہے جانِ انس و جاں کا"

فدا مونچھوں پہ کنبے کو کروں میں
بنوں دوزخ کا ایندھن جب مروں میں"

"کروں مرنے پہ معصوموں کو مجبور
تو یہ ہے دانش و فرہنگ سے دور"

نہیں منظور ہے گھر کا صفایا
مروڑی مونچھ سے میں باز آیا"

جو ہو داخل شجاعت میں حماقت | جہالت ہے وہ پیشِ اہلِ حکمت
مروڑی مونچھ ہے بیکار سی شے | کہ جینے کو یہاں شیخی بہت ہے
تسلی کو یہی کافی ہے برتاؤ | نہ دیگا شیخ مونچھوں پر کبھی تاؤ
ازل سے تا ابد نیچی ہوئی مونچھ | بچا گھر تو؟ بلا سے مٹ گئی مونچھ
سنی افغاں نے جب یہ ساری تقریر | تو بول اٹھا دلِ اسکا ہائے تقدیر
ہوا بحرِ پشیمانی میں گو غرق | نہ آیا بانکپن میں پر کوئی فرق
مروڑی مونچھ اور اک نعرہ مارا | کہیں غیور افغاں بھی ہے ہارا؟
اٹھا محفل سے اٹھلاتا ہوا وہ | چلا گھر کو تو اتراتا ہوا وہ
مگر گھر آکے بچے پائے مردہ | ہوا رنج و الم سے دل فسردہ
وہ چلانے لگا با آہ و فریاد | ہوا میں اپنے ہاتھوں آپ برباد
غم و غصے میں ہاتھ اپنا بڑھایا | مروڑی مونچھوں کا بس تھا صفایا
مگر پچھتائے اب ہوتا بھلا کیا؟ | کہ چڑیاں چگ گئی تھیں کھیت سارا
بہت دی اکھڑے بالوں نے دہائی | نہ جاں مُردوں میں آئی پر نہ آئی

ادھر تو قصہ گو کہتا تھا قصہ | ادھر سونے پہ مائل تھی رضیہ
کسی نے ناگہاں در کھٹکھٹایا | اجازت پا کے پھر وہ اندر آیا
جھکا بہرِ ادب پہلے وہ خوشخو | کہا بیٹھو تو ہو بیٹھا دو زانو
رضیہ نے کہا ہے ماجرا کیا | یہ ناوقت آنکا ہے مدعا کیا؟
کہا سنکے کہ "اے ظلِ الٰہی | رہے قائم ہمیشہ تاجِ شاہی"
مثل یہ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات | مگر مجبور ہوں کہنا پڑی بات
نہیں در اصل میں بے درد گستاخ | کر جہائے تو مارا کرد گستاخ

حضوری کے لئے ہے یہ برا وقت | کہ ہے حضرت کے خوابِ ناز کا وقت
جو کوئی تخلیہ کا وقت ملتا | مخلِّ آرام میں ہوتا نہ اصلاً
خلل انداز ہونے سے ہوں دلگیر | خدارا عفو کیجے میری تقصیر
نہیں یہ راز پوشیدہ کسی سے | لیا تھا مول مجھ کو بادشہ نے
غلامِ التمش مشہور تھا میں | غلامی پر بھی مفخر تھا بڑا میں
نہ تھا نامِ تمرد میرے دل میں | وفا جوئی تھی میرے آب و گِل میں
اگر کوئی وہ مجھ سے کام لیتے | ملک یاقوت کہکر نام لیتے
مقدر زور پر میرے جو آیا | جمال الدیں لقب پھر میں نے پایا
ترقی یوں غرض کرتا رہا میں | غلامِ خاص ہوں اب آپکا میں
بڑھایا آپ نے خادم کا رتبا | ہوا خون اس سے دشمن کا کلیجا
مقرب دیکھ کر بزمِ شہی میں | جلے جاتے ہیں حاسد جی ہی جی میں
کوئی کہتا ہے اک دن لائیگا رنگ | ملک یاقوت کے اچھے نہیں ڈھنگ
بغل تک شہ کی یہ لیجاتا ہے ہات | نکرنا اور یہ کیا ہوگا بد ذات
کوئی کہتا ہے شہ تو پارسا ہے | یہ مفسد اسکے خود پیچھے پڑا ہے
قدم پر گر کے اور آنسو بہا کے | لیا دل موہ عشق اپنا جتا کے
رہی یاقوت کی گر یوں رسائی | تو ہے کچھ دن کی مہماں پارسائی
ہوئی عورت جب اپنے آپ مختار | بقا عصمت کی پھر ہے امرِ دشوار
رہِ الفت میں ہے بیکار حکمت | فلاطوں ہو جو عورت پھر ہے عورت
پھنسے گی ایک دن وہ آخر کار | بنے وہ لاکھ گو مردوں سے ہشیار
کوئی کہتا ہے اے اللہ کی شاں | میاں یاقوت ہے شیدائے سلطاں
ہوا زنگی فرنگی کے برابر | وہ نکلے دیکھئے چیونٹی کے بھی پر

Taj Tahir Foundation

میاں چرکٹ حقیقت اپنی بھولے
حقیقت میں تو یہ کاکا پسر ہیں
انہیں کے حکم میں ہے سارا دربار
طویلے میں یہ کترا کرتے تھے یال
امیروں کے امیر اب یہ ہوئے ہیں
ولے ہر شخص را عہدہ نہ شائد
غلاموں کی حکومت کیوں اٹھائیں
غرض اسطرح خلقت تنگ رہی ہے
بڑھے ہیں اسقدر لوگوں کے جھگڑے
بھرے ہیں اب چمن میں خار ہی خار
سنی جاتیں نہیں یہ مجھ سے باتیں
نہیں بے شبہ کچھ میری حقیقت
بھلا کیونکر ہو میرے دل کو تسکیں
کسی دن میں یونہی غصے میں آکر
نہیں کچھ خوف اپنی جاں کا مجھ کو
بلا سے جان میری صدقے ہو جائے
نہ ہمت کا میں ہیٹا ہوں نہ بزدل
خدارا کیجے اس خطرے کو یوں دور
بجھانی چاہیئے نارِ بغاوت
نہ رکھے اس گھڑی کو ربِّ اکبر
رضیہ کو ہوا جسدم یہ معلوم

چمن میں اپنے مٹکاتے ہیں کولے
مگر سلطاں کے منظورِ نظر ہیں
امورِ سلطنت کے ہیں یہ مختار
بنے ہیں آج شہ کی ناک کا بال
مقامِ صدر میں یہ بیٹھتے ہیں
برائے حلوہ خوردن روئے باید
مناسب ہے کہ ہم اسکو مٹائیں
یہ کھچڑی مدتوں سے پک رہی ہے
سرِ دربار ہوتے ہیں اشارے
بغاوت کے نظر آتے ہیں آثار
غضب تشویش میں کٹتی ہیں راتیں
سنوں کسطرح لیکن شہ کی غیبت
یہ بدبیں شاہ کی کرتے ہیں توہیں
کسی حاسد پہ ہونگا حملہ آور
جو کچھ ڈر ہے تو ہے سلطان کا مجھ کو
نہ آقا پر مگر ذرہ بھر آنچ آئے
تو پھر کیونکر سہوں یہ دانتا کلکل
کہ استعفا مرا کیجے منظور
نہ میں ہونگا نہ ہوگی پھر یہ آفت
کہ بدنامی کا موجب ہو یہ احقر
تو بولی کس لئے ہوتا ہے مغموم؟

زبانِ خلق ہو سکتی نہیں بند
ذرا دیکھو تو ہم بھی جو بکتے ہیں؟
سنا کرتے ہیں باتیں طعن آمیز
حساب اپنا ہے جبتک پاک بالکل
وفاکیشی پہ تیری ہم ہیں مرتے
تجھے ہے ذات سے میری عقیدت
جہاں ملزم مجھے گردانتا ہے
جو آگہ ہے کہ ہیں یہ مفت بدظن
زمانہ جب پھرا اٹھا مجھ سے یکسر
نہیں یہ شیوۂ اربابِ ایماں
کہا یاقوت نے کل ایک مخبر
کہ باغی کر رہے ہیں ایک سازش
ملک التونیہ مردِ جفاکار
وہ ایسے بھیجتا ہے سبکو پیغام
رضیہ بولی آہِ سرد بھر کر
جتاتا تھا جو اپنا عشق ہر بار
وفا مخصوص بہرِ عاشقاں ہے
عجب کی التونیہ نے یہاں راہ
ہوا ثابت نہ مجھ کو چاہتا تھا
وہ کرتا تھا ستم اور سہتی تھی میں
کہے دیتے ہیں اسکے یہ قرینے

اثر لیتے نہیں لیکن خردمند
سمجھتے ہیں کہ کتے بھونکتے ہیں
مگر غصے کو ہم کرتے نہیں تیز
محاسب سے نہیں ہے پاک بالکل
وہ ہیں نادان جو ہیں نام دھرتے
مجھے بھی تجھ سے ہے بے شبہ الفت
مگر حق کو خدا تو جانتا ہے؟
منزا ہے بدی سے میرا دامن
سوا یاقوت کے تھا کون یاور؟
کہیں دل سے بھلا دوں تیرے احساں
یہ مجھ سے کر رہا تھا حال ظاہر
کہ ملکر پھر ہوں آمادہ بہ شورش
برابر کر رہا ہے انکو ہموار
جو کرتے آگ پر ہیں تیل کا کام
کہ یہ بھی اپنا ہے مقدر
وہی ہے میری جاں لینے کو تیار
جفا معشوق کے شایانِ شاں ہے
ہوا معشوق کا عاشق ہے بدخواہ
کسی تدبیر ملکی پر مٹا تھا
رعائت اسکی کرتی رہتی تھی میں
کہ آکر مجھ سے تخت و تاج چھینے

یہاں ہوتی ہے ہر سٹے عنائت | وہاں بڑھتی ہی جاتی ہے عداوت،
نہ ہو گا صاف وہ مجھ سے کمینہ | نکالیگا ضرور اپنا وہ کینہ،
کرونگی میں بھی اپنے دلکو اب سخت | بھلا دونگی محبت اسکی یک لخت،
نہیں رکھتا رعائت کا کوئی حق | جگر اسکی طرف سے ہو گیا شق،
امیروں کی بھی حالت جانتی ہوں | ہر اک کی نبض کو پہچانتی ہوں،
حقیقت میں حکومت کے ہیں بھوکے | نہیں واقف وفا کے رنگ و بو سے،
لڑائی مول لینے کی ہے ٹھانی | اسی سے کر رہے ہیں چھیڑخانی،
تو اسکا اب نہیں مجھکو بھی کچھ ڈر | لڑونگی تخت کی خاطر مقرّر،
یہ سمجھے اپنے دل میں کیا ہیں ملعون | بہادونگی ہر اک کا تیغ سے خوں،
کریگا یاوری میرا اگر بخت | نہ آسانی سے دونگی تاج اور تخت،
اگر ہمّت کسی میں ہے تو آئے | شجاعت اپنی میداں میں دکھائے،
بنے پھرتے ہیں جو دنیا کے سردار | لٹکوا دونگی انکو بر سر دار،
مجھے تہمت لگائی عیب اچھالا | بہانہ جنگ کا اچھا نکالا،
میں عورت ذات ہوں ظاہر ہے سب پر | مگر ہمّت میں مردوں سے ہوں بہتر،
جو میں شمشیرِ برّاں ہوں اٹھاتی | تو ہیبت سے زمیں ہے تھرتھراتی،
مجھی سے عزّت و توقیر پا کر | کیا کرتے ہیں چار آنکھیں یہ خود سر،
جونہی سمجھا عزّالدّیں کو لاہور | تکبّر نے بگاڑے اسکے ہیں طور،
اگر یاقوت سے رکھی عداوت | تو آجائیگی ان بھلوؤں کی شامت،
رشید و فخر دیں تو معتمد تھے | مگر اطوار انکے بھی ہیں بگڑے،
ملک التونیہ کے دم میں آکر | وہ کھوئینگے وقار اپنا مقرّر،
سنیں یاقوت نے جبدم یہ باتیں | تو بے حد خوش ہوا وہ اپنے جی میں

کہا صبر و وفا حلم و قناعت | توکّل اور آقا کی اطاعت،
یہی دو چار ہیں اوصاف ایسے | کہ جن پر اہلِ دیں ہیں فخر کرتے،
اجل نے گر مجھے مہلت عطا کی | تو جوہر انکے دکھلا دونگا میں بھی،
نہیں ہے مال و زر کی مجھ کو خواہش | فدا ہوں تجھ پہ بس اتنی ہے کوشش،
نہیں ہے وصل کی بھی مجھ کو حسرت | کہ ہے کافی فقط چشمِ عنائت،
مگر اتنی گذارش ہے کہ گاہے | سوا میرے کسی کو تو نہ چاہے،
میں مجبورِ ازل جب تک جیونگا | قناعت دست بوسی پر کرونگا،
دکھائے ہیں بہت ان بازوؤں نے | شجاعت اور بسالت کے کرشمے،
نہیں کیا حاسدوں کو یہ بھی معلوم؟ | ترا خادم ہوں لیکن انکا مخدوم،
دمِ شمشیر کی یہ ہے بندھی دھاک | مرے آگے رگڑتے ہیں عدو ناک،
پسینہ شاہ کا جس جا گرے گا | مری گردن کا خون اسجا بہے گا،
عدو گنتی میں لاکھوں ہوں تو کیا ڈر؟ | وہ رُبہ ہیں اور بندہ ہے غضنفر،
تری تقریر سنکر آگیا جوش | ہوا اب دل سے استغنا فراموش،
یہ منصوبہ ہے شائد دشمنوں کا | کہ تجھ کو چھوڑ دے یاقوت تنہا،
تو نرغہ پھر یہ نامعقول کر دیں | حکومت چھین لیں معزول کر دیں،
وہ بولی ہاں یہی مقصد ہے انکا | مگر تو دیر سے یہ رمز سمجھا،
وفا کی تیری میں کرتی ہوں وقعت | رہے تو چاہنے والا سلامت،
کسی سے اب لگاؤنگی نہ جی میں | کرونگی عمر بھر تیری خوشی میں،
مگر اس امر سے ہے دل دھڑکتا | کہ لشکر پر ہے قابو دشمنوں کا،
سپہداری اگر تو کرلے منظور | تو یہ کھٹکا بھی ہو دل سے مرے دور،
کہا یاقوت نے بندہ ہوں تیرا | نہیں خدمت میں مجھ کو عذر اصلا،

Taj Tahir Foundation

بہت زحمت دہی پر میں ہوں نادم — اجازت ہو تو اب رخصت ہو خادم؟

رضیّہ نے کہا اللہ نگہبان — ہوئی نیند آج قطب کی تم پہ قربان

ہؤا یہ دوسرے دن حکمِ شاہی — سنیں سردارِ لشکر اور سپاہی

کہ اب اپنا سپہ سالارِ اعظم — مقرّر کرتے ہیں یاقوت کو ہم

جمال الدّین کا سیف الدّین نائب — اطاعت دونوں کی سب پر ہے واجب

ملی یاقوت کو خدمت کی یوں داد — تو جھلّائے بہت سے دلمیں حسّاد

ہؤا یہ امر وجہ سینہ سوزی — بڑھا طوفانِ بحرِ کینہ توزی

جو تھے سلطان کے قاضیٔ قضّات — مشیر و معتمد تھے شہ کے دن رات

شرارت تھی جو انکے آب و گل میں — ہوئے وہ آگ جل کر دل ہی دلمیں

بگڑ کر بن گئے در پردہ دشمن — گھر انکا ہو گیا سازش کا مسکن

بظاہر تھے یہ عہدہ دارِ شرعی — مگر در اصل تھے مکّارِ شرعی

بنے رہتے تھے وہ مفتو بلائی — مگر رشوت کے لینے میں قصائی

بوضعِ ظاہری ایسے تھے وہ نیک — ثقہ ان کو سمجھ لیتا تھا ہر ایک

ہزاروں مکر لیکن تھے انہیں یاد — نہ تھے قاضی وہ تھے شیطاں کے استاد

حقیقی تھے پسر نمرود کے وہ — خدا سمجھے عجب مردود تھے وہ

انہیں کے گھر پر اہلِ سازش و غدر — مجالس کرتے اور وہ ہوتے تھے صدر

مخالفینِ رضیّہ کا جلسہ

مجھے دے ساقیا اک جامِ مے اور — دروغ و مکر کا ہے چل گیا دور

جو حاسد رکھتے ہیں بغضِ نہانی — انہیں کو سوں ہیں پی کر کالا پانی

ازل سے دہر میں ہے ایک فرقہ — جو مکر و زور کا رکھتا ہے خرقہ

ولی صورت ہے اور ابلیس طینت — محبّت جسکی ہے عینِ عداوت

ہمیشہ رہتا ہے مخفی شر اسکا — زباں بھایا ہے دل ہے نشتر اسکا

کرے مدحت تو سمجھو ذم ہے مقصود — سخن اسکا ہے نیشِ نوش آلود

دورنگی سے ہے پُر رگ ریشہ اسکا — نفاق و بغض و کینہ پیشہ اس کا

یہی کہ کے بن جاتا ہے وہ دوست — کہ ہم اور آپ ہیں یک مغز و دو پوست

مگر پائیگا جب موقع بدی کا — تو اپنے باپ سے بھی لیگا بدلا

سروں پر پارسائی کا عمامہ — شکم میں تا گلو مالِ یتامیٰ

رہِ باطل سے کسبِ زر ہے شیوہ — وہ مالِ وقف ہو یا مالِ بیوہ

امان و امن ہے فطرت کی خواہش — لگا نا پھرتا ہے لیکن یہ آتش

یہ فرقہ ہے بظاہر پھولوں کا ہار — مگر ہے سینۂ گیتی پر اک بار

بظاہر سب کے سب شیریں زباں ہیں — مگر باطن میں زہرِ جانستاں ہیں

خدا کا دل میں انکے کچھ نہیں ڈر — تصرّف کرتے ہیں مالِ خدا پر

بلا موجب دلِ مومن دکھائیں — ملے زر انکو تو کعبہ یہ ڈھائیں

حدیثیں یہ گھڑیں فتوے یہ ڈھالیں — بہر صورت غرض اپنی نکالیں

نہیں ہے انکے قول و فعل کا ٹھیک — کہ حیلہ ہے شریعت انکے نزدیک

عہ باری تعالیٰ ۱۲ — عہ ظاہر و توفیق و تائید ۱۲ — عہ عمامہ ۱۲ — عہ منبر

اگر رشوت میں مل جائے کہیں زر
پلٹ دیں معنئ قرآں سراسر

یہ سب ہیں قبہ بر سر جبہ بر دوش
لباسِ زہد میں اوباش مے نوش

یہ دنیا خاک کا ہے اک گھروندا
بھلا اس پر کوئی لعنت کرے کیا؟

جو خاصانِ خدا ان کی ہے لعنت
تو اس سے ہیں مراد ایسے ہی حضرت

ہوئی جس آگ سے شیطاں کی خلقت
مخمر ہے اسی سے ان کی طینت

شرارت انکے آب وگِل میں داخل
بغاوت ہے دماغ ودِل میں داخل

کوئی انکے ستم سے کب بچا ہے
پناہ ابلیس ان سے مانگتا ہے

جو چاہیں اپنے دِل سے یہ نکالیں
فلک کو بھی نہ سوجھیں گی وہ چالیں

بتائیں مومنِ خالص کو اکفر
کریں حکمِ جہاد اسلامیوں پر

جو انکے ہاتھ چومے وہ ہے دیندار
نہ جو چومے وہ ہے پکا گنہگار

جسے یہ چاہیں زیبِ تاجِ سر ہو
ہما کا پر ہو یا اُلّو کا پر ہو

انہیں ہے کام اپنے مدعا سے
کِسی کا گھر مٹے انکی بلا سے

خداوندا تو ہے بینا و دانا
بچانا انکے پھندوں سے بچانا

اسی فرقے سے تھا قاضی بدذات
بغاوت کی لگائی جس نے تھی گھات

یہ مفسد باغیوں سے کھا گیا میل
کبھی بھی ان تلوں گویا نہ تھا تیل

کیا جرم اسنے عائد بادشہ پر
لگائی تہمت اس نے بے گنہ پر

ولی نعمت سے اسکو ہو گئی لاگ
لگائی نان کے انبار میں آگ

ہوئی جس کے کرم سے زندگی تر
اسی سے بھر گیا۔ دیکھو یہ اندھیر

نمکخواری کا حق اس سے بھلایا
سیہ کاروں کو اپنے گھر بلایا

کئے ہر سمت ہرکارے روانہ
لکھے خط باغیوں کو غادیانہ

بنا صحرا میں اسکا اک مکاں تھا
جو راہگیروں کی آنکھوں سے نہاں تھا

سیہ خانہ اسے کہئے تو بہتر
کہ تھی ہر چیز اسکی کالی دھیمر

عمارت دور سے کوئی جو دیکھے
تو کالی دیونی اک اسکو سمجھے

جو ظاہر اسکا تھا زنگی کا چہرا
تو باطن بھی تھا سینہ کافروں کا

لگے تھے اسکے گرداگرد کانٹے
کہ آئے اجنبی تو رنج اٹھائے

اسی تاریک گھر میں نصفِ شب کو
کیا تھا جمع قاضی جی نے سب کو

اندھیری رات تھی بادل گھرے تھے
بجائے کوئل اُلّو بولتے تھے

جو اک گوشے میں تھا تاریک کمرا
وہیں برپا تھی بزمِ فکرِ اعدا

سیاہی تھی بھری دیوار ودر پر
سپیدی تھی نہ ڈھونڈے سے میسر

وہ چھت بھی سنگِ موسیٰ سے پٹی تھی
دئے تھے اسمیں شہتیر آبنوسی

جو ہو سورج بھی داخل اسکے اندر
تو بن جائے وہ کالے منہ کا بندر

چراغ اک ٹمٹماتا جل رہا تھا
جو اپنی آپ صورت دیکھتا تھا

پڑا تھا عکسِ دیوار اسکی لو پر
تو کاجل کا گماں تھا اسکی ضو پر

سیہ مسند تھی غالیچے تھے کالے
سیہ تھے گاؤ تکیے اور پردے

نقابیں بھی سیہ صورت بھی منحوس
سیہ تھے ان سیہ کاروں کے ملبوس

گلے ان سب کے تھے بے صوت گویا
بنے تھے یہ مجسم موت گویا

جہنم سے نکل کر آئے تھے یہ
چرا کر واں سے ظلمت لائے تھے یہ

کسی کو بھی سراپا کا نہ تھا ہوش
بتوں کی طرح سب بیٹھے تھے خاموش

جو سناٹے کی دہشت کو بڑھاتی
وہ بڑ یا گرڑ کے اڑنے کی صدا تھی

کہ اتنے میں ہلی زنجیر در کی
نگہ اٹھی اسی سمت اہلِ شر کی

سیہ پوش اک اٹھا دروازہ کھولا
بلایا ہاتھ سے منہ سے نہ بولا

کبیر السن اک آیا گھر کے اندر
خوشی سے اچھلے کودے سارے بندر

ابھی تک سانس تھی انمیں نہ جاں تھی
اسی بڈھے میں جان انکی نہاں تھی

برائے دست بوسی منہ بڑھایا
پئے تعظیم اٹھے ۔ اسکو بٹھایا

رہے خاموش تھوڑی دیر یہ سب
ہوئی آغاز پھر تمہیدِ مطلب

پڑھی پہلے تو حمدِ ربّ اکبر
پڑھی بعد اسکے پھر نعتِ پیمبر

کہا قاضی نے اُے یارانِ ہمدم
بہت یاقوت سے عاجز ہوئے ہم

یہ حاوی ہو گیا ہے شہ پہ بےڈھب
نکلتا اب نہیں یاروں کا مطلب

بھلا دیکھو تو یہ زنگی سیہ رو
ہوا ہے فائدِ اعلائے اُردو

جو تھا داروغۂ اصطبلِ شاہی
ملی ہے اب اسے لشکر پناہی

نہیں چلتا ہے یاروں کا چلتّر
رہیں کب تک دھرے چھاتی پہ پتھّر

یہ نسواں ناقصات العقل ہیں سب
انہیں شاہی کا کب شایاں ہے منصب

جو مالک تخت کی عورت نہ ہوتی
تو اشرافوں کی یوں دُرگت نہ ہوتی

تعجّب کچھ نہیں گر بعدِ چندے
یہ زنگی تختِ شاہی پر براجے

یونہی بڑھتا رہیگا گر بتدریج
شجر بن جائیگا یہ عشق کا بیج

مرے تو فائدِ اعظم کرینگے
غلاموں کی غلامی ہم کرینگے

کرو یارو تم اپنے دل میں کچھ غور
کہ ہو کیونکر گوارا ہمکو یہ طور

وہاں عاشق پہ ہو ہر دم نوازش
یہاں ہم پر ہو تیرِ غم کی بارش

ہماری شاہ کیسی بےحیا ہے!
الٰہی دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے

وہ عورت کیا! زمیں میں جو نہ گڑ جائے
کہ نامحرم بغل تک ہاتھ پہونچائے

رہی بےغیرتی گر یوں ہماری
تو آنکھیں اور بھی کچھ دیکھ لینگی

غرض قاضی نے ایسی آگ بھر دی
کہ نامردوں کو آیا جوشِ مردی

اگر قاضی نہ ان سب کو جگاتا
نہ ان مُردوں کو ہرگز ہوش آتا

کوئی بولا کہ قاضی جی ہیں دانا
نہیں چپ رہنے کا یارو زمانہ

رضیہ کے ستم کی اب نہیں حد
مناسب ہے کرے خالی وہ مسند

کوئی بولا نہ رکھ کل پر معطّل
مثل ہے گربہ کشتن روزِ اوّل

مناسب ہے نہ ڈالیں ڈھیل اسمیں
کریں امکان بھر تعجیل اسمیں

جو سن لیگی رضیہ یہ کہیں حال
تو پھیلائے گی کوئی مکر کا جال

جو ہونا ہے ابھی ہو جائے زن سے
خدا محفوظ رکھے مکرِ زن سے

ملک یاقوت بھی ہے مردِ میداں
بچاؤ کا کریگا کوئی ساماں

کوئی بولا کہ جسمیں بانکپن ہو
وہ کیونکر تابعِ فرمانِ زن ہو

ازل سے ہم تو ہیں نادان بھولے
حماقت کی جو ابتک کچھ نہ بولے

گرہ کھولی پھر اک اِک نے زباں کی
سمجھ میں بات جو آئی بیاں کی

ہوئی شوریٰ سے آخر یوں مہم طے
کہ تدبیر اس سے بڑھکر اب نہیں ہے

ابھی التونیہ کو بھیج دیں خط
اعزّ الدّین کو بھی مخفی لکھیں خط

یہ مضموں ہو کہ اے سردارِ ذی شاں!
خدا رکھے تمہیں دنیا میں شاداں

نہیں کہنے کے قابل حالِ دربار
کہ افسر بن گیا یاقوتِ بدکار

وہ مردک کر رہا ہے اب حکومت
رضیّہ ہے اسیرِ دامِ الفت

تعجب کیا جو بڑھ جائے تعلّق
تو کر دے سلطنت اس پر تصدّق

نکل آئے اگر گنجے کے تا خون
تو سمجھو پھر کہ چندیا کا بہا خون

جو درباری ہیں وہ سب [illegible]
کہ کیوں ہم نے دیا سلطانہ کا ساتھ

ملک التونیہ کے ساتھ ہوتے
تو کیوں یوں آبرو اپنی ڈبوتے

جو تم آکے کرو سلطانہ سے جنگ
تو ہونگے سب تمہارے ہی ہم آہنگ

لگاؤ دیر آنے میں نہ زنہار
کہ نصرت پر تمہارے ہم ہیں تیّار

Taj Tahir Foundation

رضیہ اب نہیں ہے قابلِ تخت مسلط اس پہ ہے دیوِ سیہ بخت
خدایا جلد وہ ایامِ نیک آئیں کہ یاقوت و رضیہ قتل ہو جائیں
دعا پر ختم ہوتی ہے یہ تحریر بڑھے اقبال اور یاور ہو تقدیر
اجڑنے کو وفا کا ہے گھرانا مرے مطرب ملار اسوقت گانا
گھٹا رنج و محن کی وہ امڈ آئے زمانے میں جھڑی اشکوں کی لگ جائے

چھٹا باب

قتلِ یاقوت و گرفتاریٔ رضیہ

پلا دے بادۂ انگور ساقی کہ اب ہے شیشۂ دل چور ساقی
مجھے لکھنا ہے اک افسانۂ غم پیوں بادہ تو ہو غم کا اثر کم
وہ اے ساقی عنائت کر تو مجھ کو جو ہمرنگِ دمِ اہلِ وفا ہو
ہوٗ البریز جامِ عمرِ یاقوت وہ صہبا دے جو کردے مجھکو مبہوت
بشرحِ صدر لکھوں حالِ جانکاہ جگر خوں ہو مگر لب پر نہ ہو آہ
وفورِ غم سے سینہ ہو اگر شق نہ تیوری پر مری میل آئے مطلق
بلائے ناگہانی بھی ہو نازل قلم کی ہو مگر کھوٹی نہ منزل
بیاں کرتا ہے یوں راویٔ صادق بشرح حیلہ ہائے بابِ سابق
کہ اک دن تھی رضیہ عدل گستر رکھا تھا تاجِ زریں اسکے سر پر
جڑے تھے اسمیں وہ نیلم وہ پکھراج کہ تھے شاہانِ دنیا جسکے محتاج
وہ ہیرے جنکی ضو کو جگمگاتے بحسرت دیکھتی زہرہ فلک سے

[illegible]

یمانی لعل سے رنگِ شفق فق زمرد سے کلیجہ سبزے کا شق
وہ موتی جو کہ لیں بحرین سے باج ضیا سے جنکی آئے برق کو لاج
وہ فیروزہ جو رنگت اپنی دکھلائے تو چرخِ لاجوردی اس سے شرمائے
وہ جیغے اور کلغی کی پھبن تھی تصدق جس پہ سورج کی کرن تھی
نگیں تھے گو یہ سب بے مثل و نایاب مگر اس رخ کے آگے سب تھے بے آب
وہ مکھڑے کی چمک نور علیٰ نور کہ شیدا جسکی ہو فردوس کی حور
حضوری میں تھے جتنے اہلِ دربار مئے حسنِ رضیہ سے تھے سرشار
کہیں بیٹھے تھے اربابِ سفارت کہیں تھے جمع ارکانِ وزارت
جو پائیں تخت کے کرسی بچھی تھی وہ تھی بہرِ وزیرِ خاص شاہی
وہی مہدی وزیرِ اعظمِ شاہ جو بیٹھا تھا وہاں با مکنت و جاہ
قرینے سے کھڑے تھے جملہ سردار جو تھے تعمیلِ حکمِ شہ پہ تیار
کہ گھبرایا ہوا آیا یکایک سپہ سالار نائب سیفِ ایبک
بجا لایا تمام آدابِ دربار گذارش یوں لگا کرنے وہ سردار
ابھی حاضر ہوا اک نامہ بر ہے زباں پر اسکی یہ موحش خبر ہے
کہ جسکو شہ نے کل بخشا تھا القاب عنائت کر دیا تھا ملک پنجاب
وہ سرتابی پہ آمادہ ہوا پھر بھری کانوں میں فتنے کے ہوا پھر
نہیں پروا اسے شاہی سپہ کی اجل آئی ہے شائد روسیہ کی
اسد کو صید بلی نے سکھایا وہ پہلے بلی ہی کو کھانے آیا
عجب احسان فراموشی کا ہے دور ہوا باغی اعزالدینِ لاہور
رضیہ بولی اسکی کیا ہے ہستی شرارت ہے یہ سب الطونیہ کی
ہر اک سازش میں ہے یہ آگے آگے ہیں سرکوبی کرونگی اسکی پہلے

[illegible]

Taj Tahir Foundation

کہا مہدی نے سچ ہے شہ کا اذعاں
وہی ہے نہ میں اس سازش کے پنہاں

اعزّ الدیں کو بھڑکایا ہے اسنے
کوئی چکمہ نیا کھیلا ہے اس نے

ہوئے نا اہل پر الطافِ شاہی
دکھائی اسنے اپنی روسیاہی

کہا شہ نے کہ تھا والیٔ لاہور
مبرّا از جفا و فتنہ و جور

یہ کیا شیطان نے اڑنگی دکھائی؟
کہ مجھ سے ٹھان لی اسنے لڑائی

کہاں جاتا ہے وہ؟ سمجھونگی اس سے
میں غدّاری کا بدلہ لونگی اس سے

بڑا ہے وہ بہادر اپنے نزدیک
بزورِ تیغ کر دوں گی اسے ٹھیک

چکھادوں گی مزا غدّاریوں کا
بھلا دوں گی میں فن مکّاریوں کا

بھلا ہم کس لئے دیکھیں گے رستا
کرے دشمن ہمارے گھر پہ دھاوا

نہ کیوں خود آگے بڑھ کے اسکو ٹوکیں
نہ آنے دیں ادھر راہ اسکی روکیں

کرو خود اس پہ اب لشکر کشی تم
چکھادو چاشنیٔ سرکشی تم

سپہ سالار دے فرمان یکسر
کہ ہوں آمادہ سب لشکر کشی پر

سرِ طاعت کیا سالار نے خم
سنایا افسروں کو حکمِ محکم

کہ ہو کر کیل کانٹے سے خبردار
بڑھیں سوئے عدو افواجِ جرّار

تزلزل ہو گیا کون و مکاں میں
پڑی ہل چل زمین و آسماں میں

رضیہ خود ہوئی لشکر کی سردار
چلی دشمن کی جانب کر کے یلغار

جمال الدّیں تھا اس کے میمنے پر
تو سیف الدّین ایبک میسرے پر

جب پہونچی فوج یہ نزدیک لاہور
اعزّ الدّیں نے تب دلمیں کیا غور

کہ تنہا اس سپہ سے جنگ و پیکار
نہیں ہے کارِ دانشمندِ ہوشیار

ملک التونیہ گر ساتھ ہوتا
تو میداں پھر ہمارے ہاتھ ہوتا

مگر وہ تو بجائے خود ہے خاموش
نہیں ہے دل میں گویا جنگ کا جوش

زباں سے وعدہ کرنے والے تھے سب
نہیں امداد پر میری کوئی اب

امیروں نے جو خط دلّی سے بھیجا
اگرچہ اسمیں ہے مضموں یہ لکھا

کہ ہم ظاہر میں ہیں گو تابعِ شاہ
مگر دل سے تمہارے ہیں ہواخواہ

کہیں ایسا نہ ہو یہ بھی ہو دھوکا
کہ ہو جائے مجھے دشوار جینا

جو رو گرداں یہ ہوتے بادشہ سے
تو کیوں مجھ پر چڑھائی کر کے آتے

رضیہ کو وہیں یہ روک لیتے
خبر اس واقعے کی مجھ کو دیتے

ملک التونیہ کو ساتھ لے کر
ہیں حملہ کرتا دار السلطنت پر

دکھاتے خیرخواہی یہ سب اشرار
تو بے محنت وہ ہو جاتی گرفتار

مگر اب ہیں مددگار اپنے تھوڑے
بھلا تنہا چنا کیا بھاڑ پھوڑے

مناسب ہے نکالوں اپنا مطلب
خلافِ شہ نہ کھولوں اپنے میں لب

کروں اسکا خود استقبال جاکر
کروں دعوت اسے گھر اپنے لاکر

امیروں کی کروں خاطر مدارات
اسی ترکیب سے شاید بنے بات

عداوت کا مری بھانڈا نہ پھوٹے
مرے سانپ اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے

غرض یہ کر کے اپنے دل میں آہنگ
اعزّ الدّیں نے کر دی ملتوی جنگ

رضیہ کو لکھی عرضی کہ اے شاہ
غلط ہے میری سرتابی کی افواہ

ازل سے میں تو ہوں شاہی نمکخوار
بھلا میں کیا کرونگا شہ سے پیکار

خبر یہ دشمنوں نے ہے اڑائی
میں خود آتا ہوں بہرِ پیشوائی

مقدّر سے مرے اچھا دن آیا
کہ سلطاں نے جمال اپنا دکھایا

ہوا یہ کلبۂ تاریک روشن
یہ خارستاں ہوا محسودِ گلشن

نہیں بھولا میں تیری مہربانی
تو احسان و مروّت کی ہے رانی

تجھی نے تھا مجھے لاہور بخشا
نوازا کر کے تھا احسان دگنا

غلط ہے ہاتھ جو دے مجھ کو روٹی
اسی کی ہیں اڑانے کو ہوں بوٹی

شجر جو مجھ کو بخشے ٹھنڈا سایہ
اسے کاٹوں کہاں کا میں ہوں دانا

ترحم مجھ پر کرنا شاہِ ابدال
الٰہی روز افزوں جاہ و اقبال

ادھر بھیجی یہ شاہنشہ کو عرضی
ادھر کی شہر کی آئینہ بندی

دلہن کی طرح شہر اپنا سجا کے
چلا بازیب و فر مہماں کو لینے

نہ لی اس نے غرور و تمکنت کی
قدم پر گر کے شہ سے معذرت کی

امیروں سے بعزت پیش آیا
رضیہ کو سر آنکھوں پر بٹھایا

ہوئے آسودہ کسلِ راہ سے سب
تو قاضی جی سے پوچھا خط کا مطلب

کہا قاضی نے ہاں ہاں خط لکھا تھا
جو کچھ مضموں تھا اسکا سب بجا تھا

اگر تم بزدلی اتنی نہ کرتے
تو بے شک تاجِ شاہی سر پہ دھرتے

تمہارے ساتھ ہر خورد و کلاں ہے
فلاں ہے اور فلاں ہے اور فلاں ہے

یہاں تک گھیر کر لائے تھے ہم صید
کہ موقع پا کے تم کر لو اسے قید

مرے کہنے کی ہو تصدیق منظور
تو چل کر پوچھ لو وہ سب نہیں دور

بلایا الغرض قاضی نے سب کو
کہ شورے سے کوئی تدبیر طے ہو

کہا سب نے کہ قاضی جی ہیں سچے
مدد کے واسطے آمادہ سب تھے

جو اب کے تم لڑائی چھیڑ دیتے
نہ شک اور بزدلی سے کام لیتے

بھٹنڈا کی سپہ کرتی بغاوت
تو سب سردار کرتے اسکی شرکت

رضیہ کا حشم سب خاک ہوتا
یہیں بس اسکا قصہ پاک ہوتا

جو ہوتے قتل یاقوت و رضیہ
تو پھر ہو جاتا طے سارا قضیہ

اگر تم کام لو جرأت سے اب بھی
تو مل سکتی ہے تم کو بادشاہی

معز الدین یہ سن کر ہو گیا شاد
لگا کرنے وہ مکرِ تازہ ایجاد

دکھایا اسنے ایسا لطف و اخلاص
کہ شہ کا بن گیا وہ معتمد خاص

عطا اسکو ہوا پھر ملکِ ملتاں
بڑھی کچھ اور اسکی شوکت و شاں

ادھر سے جب ہوئی شہ کو فراغت
چلی دلی کو وہ باجاہ و حشمت

عدوئے عافیت ہے چرخ کجرو
یہ ہر دم کھیلتا ہے بازیٔ نو

بھلا چین اسکے نیچے کب ملا ہے
جسے دیکھو وہ گردش میں پھنسا ہے

ہوئی دلی میں چندے تھی اقامت
کہ کی الطونیہ نے بھی بغاوت

رضیہ نے کی اس پر بھی چڑھائی
بھٹنڈے سے وہ لیکر فوج آئی

جو چلتے چلتے پہونچی فوج بھٹنیر
تو اس کو بد نصیبی نے لیا گھیر

ہوا تھا مبتلائے خواب لشکر
نفاقِ باہمی چڑھ آیا اس پر

وہ باغی یعنی قاضی جی کے چیلے
عدو کی چال سے سب باخبر تھے

یہی باعث تھا وہ پہلے ہی کھڑے
سپاہِ شہ سے فوج اپنی ہٹا کے

جو غافل پایا سالارِ سپہ کو
دکھا دی آگ اسکے خیمہ گہ کو

عجب بیداد تھے جب چھائے وہ
تماشا دور سے دیکھا کیے وہ

معاذ اللہ ہوئی برپا وہ آفت
کہ جس سے ہو خجل شورِ قیامت

وہ دھڑ دھڑ آگ میں خیموں کا جلنا
وہ لوگوں کا سراسیمہ نکلنا

وہ گھبراہٹ میں چاروں سمت پھرنا
طنابوں میں الجھنا اور گرنا

سپاہی جو تھے ان میں تجربہ کار
وہ اپنی خوابگاہوں میں تھے بیدار

عدو کا حملہ اس ہلچل کو سمجھے
کمر بستہ ہوئے میداں میں نکلے

جو شب تاریک تھی روزِ سیہ سے
تو لڑنے لگ گئے اپنی سپہ سے

نہ تھی اپنے پرائے کی جو پہچاں
تو خود بھائی نے ہی بھائی کی لی جاں

جو گھبرا کر ملک یاقوت نکلا
حریفوں نے اسے ہر سو سے گھیرا

Taj Tahir Foundation

مدد کو کوئی بھی اسکے نہ پہونچا
تو دل کا مدعا انکے بر آیا

مگر وہ تھا عجب مرد دلاور
کہ غالب تھا اکیلا سینکڑوں پر

جدھر بڑھتا تھا وہ شمشیر لیکر
ادھر ہی صف میں پڑجاتی تھی بھگدڑ

گھڑی بھر میں لگے کشتوں کے انبار
مگر شل ہو گئے بازوئے جرار

جوانمردی بہت اس نے دکھائی
مگر جانِ عزیز اپنی گنوائی

عداوت بعد مردن بھی نہ کم کی
جدا کرنے کو سر گردن قلم کی

جو اسکی جان لی یوں بزدلوں نے
تو یہ شور سے کیا سب قاتلوں نے

کہ اب سر ہو گئی ساری لڑائی
رضیہ پر ہے ہم نے فتح پائی

سرِ یاقوت ہے اک طرفہ تحفہ
اسے بھجواؤ تم پیشِ رضیہ

سیہ سالار کو دیکھے گی مردہ
تو ہوگی قدر تا وہ دلِ فسردہ

کرے گی وہ لڑائی کا نہ آہنگ
وہیں پھر ختم ہو جائیگی یہ جنگ

لگا کر طشت میں یاقوت کا سر
اڑھا دی ریشمی اِک اس پہ چادر

بلایا ایک ہرکارہ کہ جاؤ
رضیہ کو یہ تحفہ دے کے آؤ

رضیہ کے گیا ہرکارہ پیچھے
جو ڈیرہ ڈالے تھی فرسنگ آگے

سرِ یاقوت جونہی اسنے دیکھا
تو غم سے آ گیا منہ کو کلیجا

گھٹا گھنگھور ایسی غم کی چھائی
ہوئی تاریک آنکھوں میں خدائی

کہا دل میں نہیں اچھے شگوں یہ
مجھے بھی اب کرینگے سرنگوں یہ

وفادار اک امیر اپنا تھا یاقوت
تو قسمت نے دکھایا اسکا تابوت

وہی تھا میرے دل کا رازداں ایک
وہی تھا میری جاں کا پاسباں ایک

یگانہ جاں نثاری میں تھا وہ مرد
محبت میں وفاداری میں تھا فرد

سخی تھا اور جری تھا مرنے والا
وفا کا نام روشن کرنے والا

بہت پہلے تو خودداری دکھائی
مگر آخر نہ دل کو تاب آئی

یہ بولی وہ تڑپ کر مثلِ ماہی
میں صدقے تیرے اے بانکے سپاہی

بظاہر گو تو بے تاج و نشاں تھا
مگر اقلیمِ دل پر حکمراں تھا

جو فیاضی میں تھا تو ابرِ نیساں
تو ہمت میں بھی تھا شیرِ نیستاں

جلے جاتے تھے تجھ کو دیکھ کر جو
اب آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک انکو

گیا سر اپنا تو نے مجھ پہ قرباں
کروں کیونکر نہ حال اپنا پریشاں

مجھے بھی مار ڈالا تو نے مر کے
فدا میں تیرے خون آلود سر کے

ابھی وہ کہ رہی تھی آہ بھر کے
تصدق ہو رہی تھی اسکے سر کے

کہ اتنے میں نظر آئی اسے فوج
بڑھی جو مثلِ دریا موج در موج

گھرا جب دشمنوں سے اسکا خیمہ
بہت گھبرا گئی اسدم رضیہ

قفس میں تن کے پھڑکا طائرِ جاں
نظر آئے اسیری کے جو ساماں

ہوا اسدم اجالا آنکھوں میں اندھیر
اسی سناٹے میں بیٹھی وہ کچھ دیر

مگر پھر اپنا دل اسنے سنبھالا
اٹھایا ہاتھ میں جلدی سے بھالا

کہا یہ فوجِ سرکش سے کہ ہٹ جاؤ
نہ میرے ساتھ گستاخی سے پیش آؤ

نمک پرور وہ میرے آہ ہو کر
پڑے میرے ہی پیچھے ہاتھ دھو کر

مگر میں بھی ہوں بیٹی التمش کی
نہ فوجِ غیر سے ہرگز ڈروں گی

بہادر باپ کی ہوگی جو بیٹی
بھلا ہوگی وہ کب ہمت میں ہیٹی

جو بھس بھروا نہ دوں کھچوا کے میں کھال
تو کہنا تم کہ نام اپنا بدل ڈال

اگر باقی ہے اب بھی مجھ میں کچھ زور
تو کر دونگی میں تمکو زندہ در گور

کیا کفرانِ نعمت تم نے اچھا!
چکھاؤں گی مزا تم سب کو اسکا

چھلاوے کی طرح پھر وہ اچھل کر
گئی خیمے کے پیچھے سے نکل کر

در آئی فوج میں تلوار لے کر — گرایا میمنے کو میسرے پر
بھگایا یوں فوج کا دل ہو کے لپسپا — عصائے موسوی سے جیسے دریا
جو اک تھا حفظِ جاں کو اسکی دستہ — ہوئ الملحق وہ اس سے پا کے رستہ
پڑی پھر دشمنوں پر اسطرح ٹوٹ — تمام اغیار کے چھکّے گئے چھوٹ
جو آیا سامنے اس کو گرایا — صفوں کا کردیا دم میں صفایا
نہ تھی تیغ اسکی شعلہ تھا جہانسوز — سقر کی آگ جس سے بہرہ اندوز
یہ تھی تلوار یا قہرِ خدا تھا — جو نازل دشمنوں پر ہو رہا تھا
مچائی کاٹ کر گردیں جو ہلچل — ہوا غل ناگنی نے جھاڑی کیچل
دکھاتی جسطرف وہ اپنی جبنوں — جلاتی خرمنِ امّیدِ دشمن
وہ اب میدان جیتا چاہتی تھی — عدو کی فوج بھاگا چاہتی تھی
کہ مشرق کیطرف سے ایک لشکر — چلا تیزی سے مثلِ بادِ صرصر
بڑھے اسطرح سے دستے پہ دستے — قدم میداں سے اکھڑے فوجِ نسکے
غرض فوجِ بھٹنڈا کا تھا سیلاب — رضیہ بیچ میں تھی گرد گرداب
بہت زور اس نے مارا حسبِ مقدور — زباں سماں تھی مگر وا آستاں میں محصور
وہ بچنے کے لئے کیا کچھ کیا کی — مگر قسمت نے ساتھ اسکے دغا کی
رضیہ فوج میں یوں ہوگئی قید — گہن میں جیسے آجاتا ہے خورشید
بھٹنڈا کو روانہ کی گئی وہ — ملک التونیہ کو دی گئی وہ
مہم سر کر کے سب میرانِ ترکی — ہوئے راہی وہاں سے سوئے دِلّی
اعزّ الدّین کو پھر بھیجا یہ پیغام — ہوا اس معرکہ کا نیک انجام
ہوئی مقتول یا قوتِ جفا کش — رضیّہ قید میں ہے اب بلا کش
جلیں دشمن رہیں احباب خورسند — بھٹنڈا میں پڑی ہے وہ نظر بند

چلے ہیں سوئے دِلّی یہاں سے ہم آج — وہاں پہنائیں گے بہرام کو تاج
غرض گذرے نہ تھے دوچار دن یوں — کہ دِلّی کی ہوئی حالت دگرگوں
بروئے تخت جلوہ گر تھا بہرام — رضیّہ تھی زمانے بھر میں بدنام
رضیّہ کل تلک تھی جنکی سرور — وہی آوازے اب کستے تھے اس پر
کوئی کہتا تھا وہ تھی ایسی ویسی — کوئی کہتا تھا اُسکی ایسی تیسی
ہوا خواہ اسکے تھے جو چند افراد — تو وہ دِلّی میں تھے محبوسِ بیداد
رضیّہ کو جو ہوتا تھا تاسّف — کلیجہ تھام کر کہتی تھی اُف اُف
نہ تھا کوئی معاون تھی وہ بیکس — کہ دشمن سے نہ چلتا تھا کوئی بس
پڑی زنداں کے اندر سڑ رہی تھی — حیا سے وہ زمیں میں گڑ رہی تھی
حواس اسکے ہوئے تھے غم سے مختل — ہوئے تھے ہاتھ بھی تدبیر کے شل
وہ کہتی تھی کہ ڈرے ایسی کوئی ہائے — کہ قبضہ میں ملک التونیہ آئے
نہ غم سے کچھ تمیزِ نیک و بد تھی — بالآخر عقل نے اسکی مدد کی
سمجھ سے اپنی حالت پر کیا غور — یہی طے کر لیا اس نے بہر طور
کہ صورت دار ہوں فضلِ خدا سے — دل اسکا چھین لوں ناز و ادا سے
ملک التونیہ کو بھیجا پیغام — کہ اک امرِ اہم دینا ہے انجام
اجازت ہو تو خود خدمت میں آؤں — زباں سے اپنی حال اپنا سناؤں
ملک التونیہ نے دی اجازت — گئی پھر تو رضیّہ بن کے آفت
دیا تھا حسنِ لاثانی خدا نے — لگی ناز و ادا اس کو دکھانے
کہا میں حالِ ماضی سے ہوں دلگیر — نہیں کچھ غم اگر بگڑی ہے تقدیر
رفیع الشّان محل والی ملاقات — مجھے کرنا ہیں اسکے عرض حالات
وہاں جسوقت تم مجھ سے ملے تھے — مری بے اعتنائی کے گلے تھے

Taj Tahir Foundation

اُسی شب دل مِرا تم لے گئے تھے
تڑپ کر شامِ غم میں نے گزاری
ارادہ تھا کہ جب آئینگے سلطاں
کہوں گی کچھ نہ مجھ کو مال و زر دیں
مگر والد مخالف عقد کے تھے
جو میں کرتی خلاف انکی رضا کے
اُسی میں مصلحت بس میں نے دیکھی
وگرنہ تم پہ بندی خود تھی مائل
نہ تھا خط آپ کو نفرت کا لِکھا
کیا میری نہ مجبوری پر اغماض
کمر یوں دشمنی پر میری باندھی
نہ یہ سوچے کہ عورت ذات ہے یہ
کہا الطونیہ نے اُسے شہِ حسن!
رہو چپ کیوں گڑے مُردے اکھیڑو
مجھے بھولے نہیں اب تک وہ ایّام
مزا جلنے کا تھا تم پر تھے مرتے
وہ میٹھا میٹھا دل میں دردِ فرقت
تمہیں دیکھا تو یاد آئیں وہ باتیں
تمہاری دیکھ کر یہ حالتِ زار
تمہیں کرتا ہوں میں آزاد جاؤ
کہا جاتی ہوں کب اب اس محل سے

مجھے اک داغِ فرقت دے گئے تھے
وظیفہ تھا مِرا اختر شماری
کروں گی ان پہ ظاہر رازِ پنہاں
فقط میرا تمہارا عقد کر دیں
نہ میں ان سے جدا ہوں چاہتے تھے
تو وہ ہم دونو کو سولی چڑھاتے
نکالوں سر سے میں سودائے شادی
تمہیں تھے واقعا شادی کے قابل
حقیقت میں وہ تھا قسمت کا لِکھا
رکھیں مدِ نظر اپنی ہی اغراض
ہوائے جنگ کی جلوادی آندھی
لڑیں ہم اس سے کوئی بات ہے یہ
سر بیر آرائے خوبی و مہِ حسن
نہ میرے زخم کے ٹانکے ادھیڑو
کہ جب وردِ زباں تھا آپکا نام
نہ بن پڑتا تھا گو کچھ کرتے دھرتے
وہ پیاری پیاری آہ سردِ فرقت
کہ تارے گنتے ہی کٹتی تھیں راتیں
مِرا جی ہو گیا جلنے سے بیزار
جہاں چاہو رہو مختار تم ہو
ابد تک ہوں تری روزِ ازل سے

کہا الطونیہ نے اُسے رضیہ!
جو صدمہ ہوا سے دل سے نکالو
رہو عصمت سرائے میں میرے جا کر
رضیہ تو گئی واں ہو کے رخصت
پرانی یاد رسم و راہ آئی
جو بختِ عشق کا چمکا ستارا
بساطِ حسن پر دل اپنا ہارا
کیا پھر اسکو دامِ زلف میں قید
اسی میں عافیت وہ اپنی سمجھا
غرض مشہورِ عالم یہ ہوئی بات
کہ ہو گی عید کی جب چودھویں رات
ندیم الطونیہ کا خالدِ خاص
جب آئی چودھویں شب جگمگاتی
ہوئی یہ روشنی سے شبکی حالت
کنول فانوس مشعل پنجشاخے
دو رویہ کب تھیں فانوسیں وہ روشن
صفِ اوّل میں تھے ماہی مراتب
خوشی کے شادیانے بج رہے تھے
صدا نقاروں کی تھی چرخ کے پار
لکھوں شہنائیوں کے غل کی تمثیل
صفِ اول میں برپا غل غپاڑے

شریکِ رنج و راحت ہے یہ بندہ
ہوا جو کچھ اب اس پر خاک ڈالو
کرونگا غور عرضِ مدعا پر
ہوا دل اسکا یاں رہینِ محبت
دلِ افسردہ میں پھر چاہ آئی
لگا مرنے رضیہ پر دوبارا
پری نے دیو شیشے میں اتارا
ہوئے صیاد اپنے صید کا صید
کہ قیدِ عقد میں آئے رضیہ
بفضلِ خالقِ ارض و سموات
تو مہر و ماہ میں ہو گی ملاقات
رضیہ کا بناوالد بہ اخلاص
چلے اسکے مکاں کو سب براتی
کہ حیرت سے اڑی دن کی بھی رنگت
ادھر مہتاب اور صد ہا ستارے
شب مہتاب کا ابھرا تھا جو بن
نشان و پرچم و ماہ و کواکب
وہ سب سرمایۂ غم تج رہے تھے
ہوئے گوش فلک کر مست ہشیار
تو ہو خود دم بخود صورِ سرافیل
صفِ دوئم میں پریوں کے اکھاڑے

Taj Tahir Foundation

وہ پریاں جا بجا تختِ رواں پر
کہ حوریں بھی خجل ہوں آسماں پر

وہ آوازوں میں زیر و بم کا آہنگ
سنے گر تان سین آکر تو ہو دنگ

ادھر گر تھی گلے کی نرمی آفت
ادھر آواز کی تھی گرمی آفت

ادھر گر تھی پری کی دھانی پشواز
ادھر تھی اسکی نافرمانی پشواز

دوپٹہ تھا کسی کے سر بسنتی
عنابی یا زنگاری گاؤ دنتی

کہیں موتی ٹکے دامن بدامن
کہیں تھا گوکھرو کا سجنا جوبن

کہیں گوٹہ کہیں ٹھپہ کہیں لہر
کناری بادلہ منقیش تھے قہر

کہیں تھا نار سے یوں ٹھٹا آنچل
کہ جیسے چاند پر چھا جائے بادل

کہیں جھومر کہیں تالی جگر سوز
کہیں چشمک کہیں چٹکی دل افروز

صفِ سوئم میں ہاتھی اور گھوڑے
چلے جاتے تھے یا ہم شانہ جوڑے

سوارانِ گھوڑوں کے بھالے سنبھالے
نئی تھیں وردیاں صافے نرالے

نہ ہاتھی پر حسینانِ جہاں تھے
جبل پر پھول کے تختے رواں تھے

وسط میں انکے تھا اسطرح نوشہ
ستاروں میں ہو جیسے جلوہ گر مہ

رکھیں تھیں ساتھ کچھ کچھ ہیلیاں تھیں
عقب میں فیلبنوں کے مہریاں تھیں

براتی جو چلے تھے کر و فر سے
قریب آ پہنچے وہ خالد کے گھر کے

اٹھی واں بحرِ شادی میں غضب لہر
مجسم شادیانہ بن گیا دہر

وہ آتش بازوں کی ایسی تھی رونق
کہ تھا جھنلب سے منہ ماہ کا فق

ادھر چرخی نے اک چکر جو مارا
تو بولا چرخ تو جیتی میں ہارا

ادھر بارات میں چھوٹی ہوائی
زمیں سے آسماں پر اڑ کے آئی

شرارے تھے اناروں کے جو گلبار
ثوابت محو تھے حیراں تھے سیار

جو پھلجھڑیاں تھیں گلریز و گل افشاں
تو راہیں بن گئیں رشکِ گلستاں

نہ گھنچکر زمیں پر گھومتا تھا
فلک پر مہرِ انور گھومتا تھا

زمیں پر بم کے گولے چھٹ رہے تھے
دھوئیں سے اہلِ گردوں گھٹ رہے تھے

اسی کا ہے اثر چرخ و زمیں پر
رہیگا جو کہ باقی تا بہ محشر

زمیں کی آنکھ کے ڈھیلے ہیں بے نور
فلک کے کان کر ہیں تا دمِ صور

اس اثنا میں براتی سارے آئے
مکان اپنے میں خالد نے بٹھائے

بہت ان سب کی کی خاطر مدارات
کہ تھے سب باعثِ فخر و مباہات

حسد سے آسماں کہتا تھا 'یا ہو'
براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو'

اٹھا کر ہاتھ محفل میں بصد جوش
کہا اک شخص نے خاموش خاموش'

کرو موقوف اپنی خوش بیانی
جناب آتے ہیں بہرِ عقد خوانی'

ادا کر دی جو رسمِ عقد انہوں نے
دوشالے پائے دونو قاضیوں نے

ہوا خوش عقد سے ہر ایک انسان
بٹے محفل میں سبکو ہار اور پان

چلے پھر سبکے سب دولہا کے گھر کو
لئے ساتھ اس عروسِ سیم بر کو

لگے چھپنے فلک پر جبکہ تارے
براتی اپنے اپنے گھر سدھارے

محل وہ مہر و مہ کے وصل کا تھا
قرانِ مشتری و ماہ یا تھا

گلوں شکووں میں باقی شب گزاری
نکالیں حسرتیں دیرینہ ساری

مسرت کی شبیں فرحت کے ایام
گزارے الغرض چندے بہ آرام

رضیہ انتخابِ دو جہاں تھی
دلِ الطونیہ پر حکمراں تھی

ہوئے یہ مرحلے جب ختم سارے
تو سوچی ہاتھ اب دلی پہ مارے

نکالے رفتہ رفتہ پیٹ سے پاؤں
لگی اغیار پر وہ باندھنے داؤں

ملک الطونیہ کو یوں ابھارا
کہ دشمن ہو گیا وہ دوستوں کا

رضیہ کا ہوا وہ ہم خیال اب
تو پھرتی سے چلی بیگم یہ چال اب

تو اِرِح شہر کے گکھڑ بُلا کر
کیا تیّار اس نے ایک لشکر
مقابل تھا اعزّ الدّینِ بلبن
سپہ سالار تھا بلبن زبردست
مگر اسکے نئے تھے چونکہ رنگروٹ
سپاہی تین تیرہ ہو کے بھاگے
زمانے نے جو بدلی ایک کروٹ
یہ جب سمجھی کہ اب بگڑی لڑائی
مگر بیٹھی نہ یاں بھی آ کے نچلی
کئے اب کے وہ حملے کے ارادے
مگر نظروں سے اوجھل تھے عواقب
ابھی تھی نامکمّل فوج ساری
مغنّی آ الاپ اب شام کلیاں
لباسِ دہر ہے ماتم سے کالا
اثر اپنی حذاقت کا دکھا دے

زمیندار وں کو جاٹوں سے مِلا کر
چلی دِلّی پہ ہونے حملہ آور
وزیرِ شاہ بہرام اسکا دشمن
رضیّہ بھی نہ تھی ہمّت میں کچھ پست
پڑی سختی تو بس ہمّت گئی ٹوٹ
صفیں تھیں سب وہ پیچھے جو تھیں آگے
تو بھاگا اسکا لشکر کھا کے گھونگھٹ
بٹھنڈا کی طرف وہ بھاگ آئی
بہت سی فوج اسنے جمع کر لی
کہ بس جاتے ہی دشمن کو گرا دے
کہ جوشِ انتقام اس پر تھا غالب
کیا کوچ اور دِلّی کو سدھاری
ہوا ہے مہر کا دنیا سے چالاں
ترانہ ہو ترا بس آہ و نالا
رُلا دے ہاں مرے مطرب رُلا دے

ساتواں باب

رضیّہ کا شکست کھا کر قتل ہونا

بتا ساقی ہیں کیوں رنجیدہ مے نوش
ہوئی میخانہ میں کس سے لڑائی
غریقِ بحرِ مے کی سن دُہائی
چلی دِلّی کی جانب پھر رضیّہ
ادھر سے آیا بلبن مثلِ ضیغم
بجھ اسکا حوصلہ اس سے بڑھا تھا
جو دونو فوجیں پہنچیں نزدِ کیتھل
لگے دونوں طرف سے تیر چلنے
کمانیں دیکھ کر اندازِ پیکاں
ہوائے تند تھے یا تیر آتے
خدنگوں کی تھی وہ بوچھاڑ ہر سُو
بسانِ شیر بلبن صف پہ آتا
رضیّہ کو کیا محصور پل میں
گرے جاٹ اور گکھّڑ نیم بِسمل
مگر پچھلی صفوں نے کچھ سنبھل کر
چلایا سب نے پھر اسطرح بھالا
بہادر تھا مگر بلبن بھی ایسا
وہ خونخوار اسکے نیزے کی انی تھی

فلک بھی ہے گھٹاؤں سے سیہ پوش
شکستِ جام کی آواز آئی
مِرے ساقی ہے وقتِ ناخدائی
لِئے تھی فوج مثلِ ریگِ صحرا
نمونہ قہر کا تھا جو مجسّم
رضیّہ پر وہ غالب ہو چکا تھا
ہوا آغاز کُشت وخوں کا دنگل
لگے سوئے عدم نخچیر چلنے
مجسّم ہو گئی تھیں چشمِ حیراں
ہلاکت کی خبر سب کو سناتے
کہ تھا ممنونِ احساں ہر بُنِ مو
شجاعت اپنی اعدا کو دکھاتا
مچا دی ہلچل اِک فوجوں کے دَل میں
ہوئے زخمی گلے سر رُخ جگر دِل
سنبھالے نیزے کیا تیور بدل کر
کبھی بلبن نے دیکھا تھا نہ بھالا
کہ زہرہ آب ہوتا تھا اسد کا
کہ جس کے ڈر سے جانوں پر بنی تھی

Taj Tahir Foundation

رضیہ نے جو اس کو بڑھتے دیکھا
پئے دفعِ عدو نیزہ سنبھالا

اڑا کر برق جیسا اپنا رہوار
صفوں پر جا پڑی وہ لیکے تلوار

یہ جب دیکھا تو جاٹوں نے بھی بڑھکر
عدو کو رکھ لیا تیغوں کے دم پر

لڑا دیں جنگ میں یوں سب نے جانیں
کہ نکلیں منہ سے گھوڑوں کی زبانیں

رضیہ جوش میں شمشیر زن تھی
وہ عورت تھی غضب کی صف شکن تھی

برس پڑتی تھی جاتی جسطرف تھی
اسی کے ہاتھوں برہم تھی جو صف تھی

جو اک سر لشکرِ بلبن نے دیکھا
کہ یوں آپے سے باہر ہے رضیہ

مساوی ہے اسے ہر پستی و اوج
پہونچتی ہے وہیں جائے جہاں فوج

بڑھا یوں لینے بدلا وہ غضب میں
کہ جا پہونچا رضیہ کے عقب میں

رضیہ تھی جدھر سرگرمِ پیکار
وہیں پہونچا وہ لیکر فوجِ جرار

کنائے کاٹ کر کھا کر ذرا پھیر
لیا بیگم کی ساری فوج کو گھیر

زمینداروں نے جب یہ حال دیکھا
کہ لشکر آگیا نرغے میں ان کا

ہر اک کو بھاگنے کی پڑ گئی فکر
نہ بھگدڑ کے سوا ہوتا تھا کچھ ذکر

نہ کچھ دیکھا کسی نے اور نہ بھالا
ہر اک نے بوریا بندھنا سنبھالا

نہ ٹھیرا کوئی میدانِ ستم میں
ہوئے سب تین تیرہ ایک دم میں

رضیہ تھی مگر شمشیر در کف
گرائی سامنے جو آ گئی صف

جو کھا لیتا تھا اسکی تیغ کا وار
نہ پانی مانگتا تھا پھر وہ زنہار

عدو کو تیغ کے گھاٹوں کیا غرق
اٹھی تلوار اسکی اور گری برق

جدھر کرتی تھی تیغ اپنی علم وہ
ادھر کرتی تھی صدہا سر قلم وہ

بہت جب تھک گئی وہ لڑتے لڑتے
تو دیکھا فوج کو اپنی پلٹ کے

جب اپنی فوج کو محصور پایا
ہر اک افسر کو بھی مفرور پایا